فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

ہو المستعان

سیرۃ النعمان

یعنی

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصہ اوّل و دوم

مؤلفہ

مولانا محمد شبلی نعمانی

حسب فرمایش سید ظہور الحسن مالک قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی

رنگین پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ستائش کہ بعنوان خوشست — نعت ہمانگونہ ہمانسان خوشست
لیفنگا نسیم و پیمبر پرست — سجدہ اگر نیست زمین بوس ہست
تا بخودی پایہ نگہدار باش — دم ز شریعت زن و ہشیار باش
ہرچہ ز بیش است و زکم باز دان — سجدہ و تعظیم ز ہم باز دان
ورزہ الفت کہ بود ہیچ ہیچ — پا چو نہی - بر تو نگیریم ہیچ
من کہ دریں دائرہ از دیر باز — پاے ز خلوت نہ نہادم فراز
باز برانم کے دریں واہ رسے — دل برم از خلق بافسونگرے
خواستہ ام طرح دگر ریختن — شعبدہ تازہ برانگیختن
بزم دگر ہست و تماشا دگر — بادہ دگر آرم و مینا دگر
زمزمہ تازہ بساز افگنم — غلغلہ در حلقہ راز افگنم
بادہ فرستم بحریفان دگر — از می دوشین قدرے تندتر
زخمہ کہ بر تار سخن میزنم — ہاں بنگر تا بچہ فن میزنم
قاعدۂ سحر طرازیست این — نیک نگہ کن کہ چہ بازیست این
پا چو دریں معرکہ افشردہ ام — پایہ فن تا بکجا بردہ ام
حرمت این کار نگہداشتن — ق — نامہ بہ لعل و گہر انباشتن
کار من است این نہ ہر خام نیست — این بود آں مے کہ بہ ہر جام نیست
دست اگر سوئے قدح بردہ ام — جاے عنب بخت دل افشردہ ام
کان معانی ہمہ کاویدہ ام — کین گہرے چند فراچیدہ ام
غارت بتخانہ چین کردہ ام — تا صنمے چند گزین کردہ ام
خاک در میکدہ ہا بیختم — کین مے صافی بقدح ریختم
دایہ اگر دگراں خواستم — چارہ نہ زو بود ازاں خواستم
فن سیر گرچہ بود دلپذیر — نیست در و خود ز روایت گزیر

گرچہ متاع از دگر آوردہ ام — قطرہ ربودم گہر آوردہ ام

گرچہ مرا شیوہ فن ایں نبود — حرف بہ اُردو زدن آئیں نبود

بیشتر از گرم طلب بودہ ام — بادہ بہ پیمانۂ عرب بودہ ام

بزم چوں آں فرہ و آں ساز داشت — ساغر من بادۂ شیراز داشت

لیک چوں آں مطرب ساقی نماند — بوئے از آں میکدہ باقی نماند

بزم بطرز دگر آراستم — خوشتر ازاں نیز کہ میخواستم

گرچہ سر و برگ سخن دیگر است — شمع ہمانست ۔ لگن دیگر است

بادگوارا بہ عزیزاں تمام — بادۂ گلگون بہ سفالینہ جام

ناموران اسلام جسکا ایک حصہ المامون چھپکر شائع ہو چکا ہے اول اول جب مجھکو اُسکا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا جسطرح یعنی خلافت و سلطنت کے مختلف خاندانوں سے ہیرو انتخاب کئے ارادہ تھا کہ اسی طرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کئے جائیں اور جو لوگ اُن خاص خاص فنون میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے انکو اس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جائے ۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا کر میں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا ۔ بلکہ سلسلہ حکومت سے بھی بہت سے خاندان چھوڑ دیئے تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بھی سجایا جائے کہ السیرۃ النعمان ۔

المامون کے بعد میں نے الفاروق لکھنی شروع کی تھی اور ایک معتدبہ حصہ لکھ بھی لیا تھا لیکن بعض مجبوریوں سے چند روز کیلئے اُسکی تالیف سے ہاتھ اُٹھانا پڑا ۔ اسپر کوتاہ بینوں نے عجیب عجیب بدگمانیاں کیں حالانکہ بات اتنی تھی کہ بعض نادر کتابیں جو اس تصنیف کیلئے نہایت ضروری ہیں اور یورپ میں چھپ رہی ہیں ابھی تک پوری چھپکر نہیں آچکیں اس زمانہ انتظار میں بیکار بیٹھنا تو مشکل تھا ۔ خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کروں لیکن یہ دیکھکر کہ الفاروق ناتمام ہے طبیعت رُک جاتی تھی ادھر اس میدان میں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا ادھر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تھی کہ علمی نام آوروں کے کارنامے دکھانے بھی ضرور ہیں کیونکہ اسلام میں تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے ۔

آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کے لیئے خاندان حکومت کو چھوڑکر علمی سلسلہ کیطرف توجہ کرنی پڑی فقہ حدیث ۔ ادب منطق فلسفہ ۔ ریاضی ۔ مختلف خاندان سامنے تھے بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابوحنیفہؒ جو فقہ کے بانی ہیں اُسکا ہیرو قرار دیا ۔ امام ابوحنیفہ کے اجتہادی مسائل قریباً بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلامی میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں میں اُن ہی کے مسائل قانون سلطنت تھے اور آج بھی ہیں ۔ اسلامی دنیا کا غالب حصہ اُن ہی کے مسائل کا پیرو ہے ۔ عربی ۔ فارسی ۔ ترکی ۔ بلکہ یورپ کی زبانوں میں اُنکی متعدد

سوانح عمریاں لکھی گئیں ظلم تھا۔ اگر انکی لائف خود اُردو میں لکھی جاتی جو بلحاظ ان ہی کے پیروؤں کی زبان ہے۔

امام ابوحنیفہ کو اسلام میں جو رتبہ حاصل ہے اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کس کثرت سے اُنکی سوانح عمریاں لکھی گئیں مسلمانوں میں علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا میں اُس کی کوئی نظیر موجود نہیں تراجم طبقات۔ قرون وفیات۔ اعیان۔ سنین۔ وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوتے اور ایک ایک عنوان کے ذیل میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ اُنکا شمار بھی مشکل ہے لیکن خاص سیرت (لائف) کے فن کو چنداں ترقی نہیں ہوئی۔ علما۔ شعرا۔ قضاۃ۔ حکما میں سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جنکے حالات مستقل تصنیفوں میں لکھے گئے جہانتک ہمکو معلوم ہے صرف امام ابوحنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا نہایت کثرت کے ساتھ انکی سوانح عمریاں لکھی گئیں اور اُن ناموروں نے لکھیں جو اس قابل تھے کہ انکی مستقل سوانح عمریاں لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہ کا ہمسر ہے تو صرف امام شافعی ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے حالات میں جسقدر کتابیں لکھی گئیں اُن میں سے جسقدر ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہیں۔

نام کتاب[۱]	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ	امام طحاوی حدیث وفقہ کے مشہور امام اور صرف ایک واسطہ سے امام شافعی کے شاگرد ہیں انکی تصنیفات میں معانی الآثار چھپ گئی ہے
قلائد عقود الدرر والعقیان	امام احمد بن محمد طحاوی	یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔
الروضۃ العالیۃ المنیفۃ	امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی سنہ ۳۵۵ھ	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے استاد ہیں یہ کتاب تین جلدوں میں ہے (الجواہر المضیئۃ ترجمہ محمد بن احمد)
مناقب النعمان	شیخ ابو عبد اللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے مورخ خطیب نے اُنسے روایت کی ہے قاضی ابو الولید باجی نے اُنکو امام الحنفیہ کہا ہے سنہ ۴۳۶ھ میں وفات پائی یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابوحنیفہ کے متعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے (الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ)
مناقب النعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی سنہ ۳۰۸ھ	نہایت مفصل کتاب ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تضعیف کی ہے جیسا کہ حنفیوں کی نسبت اُنکی عام عادت ہے

[۱] یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے بعض کتابوں کے نام و مصنفین اور سب کے زائد حالات دو کتابوں سے لئے گئے ہیں اور وہاں خاص تصریح کردی گئی ہے۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ	زمخشری ایک نامور مصنف ہیں تفسیر کشاف انکی مشہور کتاب ہے یہ کتاب چالیس بابوں میں ہے
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی ۵۶۸ھ	موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد فقہ و ادب میں کامل تھے حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں انکا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبد اللہ بن محمد الحارثی	مشہور مصنف ہیں ابن جوزی نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حدیث میں انکا اعتبار نہیں اسپر صاحب جواہر المضیۃ فرماتے ہیں کہ امام عبد اللہ کا رتبہ ابن جوزی ابو سعید دونوں سے بڑھکر ہے
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی ۵۰۶ھ	مشہور فقیہ ہیں۔ جواہر المضیۃ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خاں انہیں کے شاگرد تھے۔
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری المتوفی ۸۲۸ھ	گیارہ بابوں میں ہے اسمیں امام کے حالات کے ساتھ انکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابو یوسف امام محمد عبد اللہ بن المبارک امام زفر داؤد الطائی وکیع بن الجراح حفص بن غیاث یحییٰ بن زکریا حسن بن زیاد کے حالات بھی جدا جدا بابوں میں لکھے ہیں یہ کتاب روم میں بہت متداول ہے سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان میں اسکا ترجمہ کیا
مناقب النعمان کتاب الانتہاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہا	ابو القاسم بن کاس قاضی بن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ	عقود الجمان میں اس کتاب کے اکثر حوالے ہیں۔ امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی کے حالات ہیں علامہ ابن خلکان نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے قاضی ابن عبد البر بہت بڑے محدث اور امام ہیں انکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔
مناقب النعمان	ابو قاسم عبد اللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام	
مناقب ابی حنیفۃ	علامہ ذہبی	علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ میں لکھے ہیں علامہ ذہبی بہت

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		بڑی محدث تھے اس فن میں اُنکے بعد کوئی اس تبہ کا نہیں ہوا میزان الاعتدال وکاشف وغیرہ ودول الاسلام وتذکرۃ الحفاظ انکی مشہور کتابیں ہیں
المواہب الشریفة		اسکا ترجمہ ہوگیا ہے جسکا نام تحفة السلطان فی مناقب النعمان ہے
بستان فی مناقب النعمان	شیخ محی الدین عبد القادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ انہیں کی تالیف ہے حدیث میں حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہیں۔
تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ	حافظ جلال الدین سیوطی	مشہور مصنف ہیں
عقود الجمان فی مناقب النعمان	محمد بن یوسف بن علی الدمشقی	زیادہ تفصیل آگے آئیگی۔
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہیں۔
قلائد عقود العقیان مناقب النعمان		مؤلف کا نام معلوم نہیں دیباچے سے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے
	شمس الدین احمد بن محمد السنواسی	ترکی میں ہے اور نظم ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابو سعید	فارسی زبان میں ہے۔
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داؤد الیمانی	
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المتوفی ۸۰۹ھ	تین جلدوں میں ہے۔ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف وامام محمد ہر ایک کے حال میں الگ الگ جلد ہے۔
مناقب الامام اعظم	مولانا محمد کامی آفندی قاضی بغداد المتوفی ۱۱۳۶ھ	ترکی میں ہے۔
مناقب الامام اعظم	مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی	ضخیم کتاب ہے ۱۱۶۸ھ میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں نایاب ہیں میرے پاس عقود الجمان و الخیرات الحسان موجود ہیں اور قلائد العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گزرا ہے۔ الخیرات الحسان اگرچہ اسوجہ سے کہ ابن حجر مکی کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمام تر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے

دیباچہ کتاب میں اسکا اعتراف کیا ہی - قلائد العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی صیمری
کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ
وہی ہے حافظ ابو المحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل برقوقیہ کی تصنیف ہے حافظ
ابو المحاسن جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں ممتاز ہیں یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ
میں تصریح کی ہے ربیع الثانی سنہ ۹۳۹ھ میں تمام ہوئی۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے
حالات میں بہت سی کتابیں دیکھی ہیں جن میں سے موفق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ اور جامع
ہے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہی کہ میں نے اس بحث میں جس قدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ
کتاب دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوتی۔

امام ابوحنیفہ کے حالات میں تصنیف تو مجھکو ایک یہی مل سکی لیکن رجال و تاریخ کی مستند کتابیں جنمیں
امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذریں جن میں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف بن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب
بغدادی انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام
للذہبی عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال
للعلامہ صفی الدین الخزرجی خاصۃً قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے اور
حدیثوں کی تنقید کے لیئے زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جس میں امام ابوحنیفہ کے عام حالات ہیں انہیں تصنیفات سے
ماخوذ ہے لیکن دوسرا حصہ جس میں امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اسکے لیئے
یہ تمام دفتر بیکار تھا۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں سوانح عمریوں کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ
اس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ میں البتہ ایسی
کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جا سکتا ہے۔

مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کیئے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث
کے مخالف ہیں۔

قاسم بن قطلوبغا المتوفی سنہ ۸۷۹ھ نے اس کا مفصل جواب لکھا۔ شمس الائمہ کردری نے منخول
کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسی طرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین
محمد بن البابرتی المتوفی سنہ ۷۸۶ھ اور شیخ ابو عبد اللہ محمد بن یحیی الجرجانی المتوفی سنہ ۳۹۷ھ نے مستقل
کتابیں لکھیں۔

مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی جسکا نام الانتصار لامام ائمۃ الامصار ہے
اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو تیس بابوں میں ہے اس میں تفصیلاً امام ابوحنیفہ کے مسائل کی عمدگی
ثابت کی ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنے باب میں بے نظیر ہے اسی مضمون
پر عمر بن محمد سعید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جس کا نام الانتصار والترجیح ہے سب سے مفصل کتاب
الابانہ ہے جو قاضی ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابوں پر منقسم ہے پہلے
باب میں ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب
اس بحث میں ہے کہ اُنکے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہیں چھٹے باب میں اُن مسائل کا ذکر ہے
جنپر مخالفوں نے اعتراض کئے ہیں۔ پھر نہایت تفصیل کے ساتھ اُنکے جواب دیئے ہیں۔
جواہر المضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب دیکھی ہے نہایت عمدہ کتاب ہے۔
اور جو دعوٰی کیا ہے اُسکے ثبوت میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔
بے شبہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد ملسکتی تھی لیکن میں مصنف کشف الظنون کی
سی قسمت کہاں سے لاؤں کہ ان نایاب تصنیفات پر دسترس پا سکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الائمہ
کردری کا رسالہ بہم پہنچا کہ اس ناداری میں وہ بھی غنیمت ہے بعض باتیں اس رسالہ سے لیں باقی
میرا تتبع اور تحقیق ہے جسکے لیئے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا۔
یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتیں ہیں ولادت نشو و نما
طریقہ معاش طرز معاشرت وغیرہ اس قسم کے حالات کو تاریخی پیرایہ کہتے ہیں روایت میں اُنکا ثقہ ہونا نہ
ہونا محدثانہ بحث ہے اُنکے مسائل و طریقہ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے اس لیئے جو کتاب ان
تمام حیثیتوں پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثوں میں خود اُسکی حیثیتیں بھی بدلتی جائیں اسکا طرز تحریر
کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محدثانہ اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ مجتہدانہ روش ہوگی۔ اس کتاب میں
میں نے ان مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں اُن میں وہ شہادتیں کافی
سمجھی ہیں جو عام مورخوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اسمیں زیادہ تر تدقیق کی ہے
اور تمام تر ان اصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کیلئے قرار دیے ہیں علم ناظرین کو شائد
اُن بحثوں میں مزہ نہ آئے مگر ایسے ضروری حصہ کو میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا عام تاریخی واقعات میں گو رواۃ
حدیث کیطرح بال کی کھال نہیں نکالی ہے تاہم کوئی ایسا واقعہ نہیں لکھا جس کی سند موجود نہ ہو ساتھ ہی
اسکا التزام کیا ہے کہ کسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گذری ہو کیونکہ نقل در نقل ہوکر اکثر

روایتیں اپنی حالت پر قائم نہیں ہیں ان احتیاطوں کے ساتھ بھی ممکن بلکہ ضروری ہے کہ مجھ سے مسامحات اور غلطیاں ہوئی ہوں لیکن میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ وقال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔

امام ابو حنیفہ کا نام ونسب ولادت

نعمان۔ نام۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام اعظم لقب۔ شجرۂ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ البتہ اسمیں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیونکر آئے خطیب مورخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسمعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے ہمارے دادا ابو حنیفہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انھوں نے انکے اور انکے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی[1]۔ اسمعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسمعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا اور ماہ مرزبان لقب ہو گئے کیونکہ اسمعیل کی روایت سے اسقدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارس میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اسی لیئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابو المحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے انھوں نے قیاساً کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہیں ماہ دراصل وہی مہ ہے جسکے معنے بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرع ہے۔

ع نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را۔ عربی لہجے نے مہ کو ماہ کر دیا ہے۔

زوطی غلام نہ تھے

بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اس نے آزاد کر دیا اسی لیئے امام کا خاندان موالی بنی تیم اللہ کہلاتا ہے مخالفوں نے جنکو امام کی تنقیص میں مزہ آتا ہے اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی کیا بات ہے زمانہ نے خاندان کسریٰ پر اس لقب کا داغ لگایا ہے ہمارے علما حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہیں (گو توریت سے ثابت نہیں) اسلام کے قریب تر زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہیں جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا امام حسن بصری بن سیرین طاؤس عطا بن یسار۔ نافع عکرمہ۔ مکحول۔ جو اپنی زمانہ کے مقتدائے عام تھے خود یا انکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے۔ زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہیں لیکن تاریخی شہادتیں اسکے خلاف ہیں امام کے نسب میں اور بھی اختلافات ہیں ابو مطیع نے انکو نسل عرب سے شمار کیا ہے اور سلسلہ نسب یوں بتایا ہے نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری حافظ ابو اسحٰق نے شجرۂ نسب کے

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ۔ ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

متعلق یہ روایت نقل کی ہے نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن بہرام زوطی کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے اور یہ اختلافات ضرور ہونے چاہئیں تھے زوطی اول اول جب عرب میں آئے ہونگے تو برسوں تک اُنکی حالت بیگانگی کی حالت رہی ہوگی لوگونکو اُنکے حالات کے ساتھ چنداں اعتنا نہوگا اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کیوجہ سے صحیح حالات نہ معلوم ہوسکے ہونگے معاشرت کی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں یہ طریقہ عرب میں عام طور پہ جاری تھا اور اس قسم کے تعلق کو ولاء کہتے تھے جسکا مشتق مولیٰ ہے۔ مولیٰ غلام کو بھی کہتے ہیں اسطرح لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہوگیا جسکی وجہ سے اسمعیل کو دفع دخل کرنا پڑا کہ "واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا" اسمعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اسوجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے اس بحث میں اُن ہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہا۔ قاضی صیمری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف یعنی ہم قسم تھے۔ اُس روایت کا (جسمیں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے) یہ حصہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہوکر آئے زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لیے ہیں جنمیں سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی نسل سے تھے۔ یہ ممالک اُس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے غالباً زوطی اسی زمانے میں اسلام لائے اور جوش شوق یا خاندان والوں کی ناراضی سے جسکا باعث تبدیل مذہب تھا عرب کا رُخ کیا یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ دار الخلافہ ہونیکا شرف رکھتا تھا۔ اس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی کبھی کبھی جناب امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت کے آداب بجالاتے ایک بار نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "نوروزنا کل یوم" یعنے ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے ثابت امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپنے بزرگانہ شفقت فرمائی اور انکے اور اُن کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی۔

ثابت کے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ قرائن سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا جسکا نام الدین نعمان رکھا لیکن زمانے آگے چلکر امام اعظم کے لقب سے پکارا اُس وقت عبد الملک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا یہ وہ عہد تھا کہ رسول اللہ صلعم کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں انمیں سے چند بزرگ موجود تھے جنمیں سے

سلہ دیکھو قلائد عقود العقیان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان باب اول۔ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

بعض امام ابوحنیفہ کے آغاز شباب تک زندہ ہے انس بن مالک نے جو رسولؐ کے خادم خاص تھے سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی۔ سہل بن سعد نے سنہ ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ تو سو ہجری تک زندہ ہی لیکن ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی۔ اسپر لوگونکو نہایت تعجب ہی اور مورخوں نے اسکے مختلف اسباب خیال کیے ہیں۔ بعضوں کی رائے ہی کہ امام ابوحنیفہ نے اسوقت تک کسی قسم کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی انکے باپ دادا تجارت کرتے تھے اسلیئے انکی نشو ونما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی بڑے ہوکر امام شعبی کی ہدایت سے علم کی طرف متوجہ ہوئے اسوقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا یعنی صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے طلبی سے کیوں روایت نہیں کی

لیکن میرے نزدیک اسکی ایک وجہ اور ہی محدثین میں باہم اختلاف ہی کہ حدیث سیکھنے کیلیئے کم از کم کیا عمر مشروط ہی اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا[1] انکے نزدیک چونکہ بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لیئے ضرور ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اسکے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہی غالباً یہی قید تھی جسنے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی بھی نہیں جن لوگوں نے دس بارہ برس کے سن میں صحابہ سے حدیثیں سنیں انکی روایتیں اس لحاظ سے تو نہایت قابل اعتماد ہیں کہ رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہی لیکن اسبات کا قوی احتمال موجود ہے کہ کم سنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں جسکی وجہ سے ادائے مطلب میں عظیم الشان غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں بہر نوع وجہ جو کچھ ہو واقعہ یہ ہی کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم یہ شرف انکی قسمت میں تھا کہ جن آنکھوں نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا انکے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں۔

تابعیت کی بحث

یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہی اس لیئے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ میں آ گیا ہی اور اسپر بڑی بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ بے شبہہ امام ابوحنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا کہ انھوں نے حضرت انس صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا غیر قومیں ان باتوں کو معمولی امر خیال کرینگی لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہی جو مسلمانوں کو رسول اللہ اور انکے تعلق کی وجہ سے صحابہ کیساتھ تھا سچ ہی شعر

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا … بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس است

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی لوگونکو شبہہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنے کا سب سے زیادہ حق حاصل ہے امام کے موافق فیصلہ کیا۔

حافظ ابن حجر کا فتوی

حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہیں فتوی پوچھا گیا آپ رحمۃ اللہ نے یہ جواب لکھا امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں کئی صحابی موجود تھے۔ اس لیئے کہ امام سنہ ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اسوقت وہاں صحابہ میں

[1] مقدمہ ابن الصلاح مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۵۸ -

سے عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ وہ ۸۲ھ میں یا اسکے بعد مرے اور ابن سعد نے روایت کی ہے جس کی سند میں کچھ نقصان نہیں کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا۔ ان دو صحابہ کے سوا اور اصحاب بھی مختلف شہروں میں موجود تھے بعض لوگوں نے اُن حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کیں لیکن اُن حدیثوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ امام اُنکے ہمزبان تھے اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے پس اس لحاظ سے امام ابوحنیفہ تابعین کے طبقہ میں ہیں اور یہ امر اور اماموں کی نسبت جو اُنکے معصر تھے مثلاً اوزاعی شام میں۔ حماد بن بصرہ میں۔ ثوری کوفہ میں۔ مالک مدینہ شریف میں لیث مصر میں ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم[۱]

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابوحنیفہ تک پہنچتی ہے یعنی ابن سعد نے سیف بن جابر سے سُنا اور سیف نے خود امام ابوحنیفہؒ سے ابن سعد وہ شخص ہیں جنکی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ اگرچہ انکا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں سیف بن جابر بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایت تھے اس لحاظ سے یہ روایت اسقدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہوسکتی۔ اسی بناپر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب۔ علامہ نووی۔ شارح صحیح مسلم۔ علامہ ذہبی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی زین الدین عراقی سخاوی ابوالمحاسن دمشقی نے جن پر اب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کردیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا[۲]

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی،، لوگوں کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے نہ رویت سے لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینوں نے قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں ان کی شہادت کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہوچکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی میں برابر درجے کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بالکل کم رتبہ ہے۔

بعض حنفیوں نے رویت سے بڑھکر روایت کا بھی دعوی کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعوی ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سنیں تھیں۔ پھر اصول حدیث سے اُن کی جانچ کی ہے اور ثابت کردیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے

---

[۱] اس فتوی کو حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں بعبارتہا نقل کیا ہے اور میں نے اُسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے ۱۲ [۲] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں یہ تصریح موجود ہے ۱۲ [۳] مختصر تاریخ خطیب بغدادی و کتاب الانساب و تہذیب الاسماء واللغات و تذکرۃ الحفاظ و عبر فی اخبار من غبر للذہبی و تہذیب التہذیب میں امام ابوحنیفہ کا ترجمہ دیکھو ۱۲

صحابہ سے روایت نہیں کی

ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذہ خاص اسکو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابویوسف امام محمد حافظ عبدالرزاق بن ہمام عبداللہ بن المبارک۔ ابونعیم فضل بن دکین مکی بن ابراہیم۔ ابوعاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انھیں لوگوں نے اُن کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے ابوالملة الحنیفة قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے واتبعوا ملة ابراہیم حنیفا امام ابوحنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔

سن رشد، تعلیم و تربیت، شیوخ و اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پُر آشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب عراق میں ابتک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انھیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا ہے اگر اور پیغمبروں کی اُمتیں سب ملکر اپنے زمانے کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو پیش کریں تو واللہ ہمارا پلّہ بھاری رہیگا۔ عبدالملک نے ۸۶ھ میں وفات کی اور اُسکا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی اسپین و سندھ دو بڑی مملکتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزائر سورقہ و میورقہ فتح ہوئے لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں جو لوگ جسقدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اُسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔ اُسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ ولید شام میں۔ حجاج عراق میں۔ عثمان حجاز میں۔ قرة مصر میں واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی۔" اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ جابجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے لحاظ سے جس قدر تھا نہایت کم تھا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج ۹۵ھ میں مرگیا۔ ولید نے بھی ۹۶ھ میں وفات پائی ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے مسند خلافت کو زینت دی جسکی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے بنی امیہ میں سب سے افضل تھا سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی کہ "میرے بعد عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوں" سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق

عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر بیٹھے۔ انکی خلافت نے دفعتاً حکومت مروانی کا رنگ بدل دیا۔ اور تمام ملک میں عدل و انصاف علم و عمل خیر و برکت کی جان تازہ ڈالدی ایک مدت سے حضرت علیؓ پر خطبوں میں جو لعن طعن پڑھا جاتا تھا یکایک موقوف کر دیا شہزادگان بنو امیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں۔ جہاں جہاں ظالم عمال تھے یا تو معزول کر دیئے سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر یہی چرچے پھیل گئے امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثوں کو یکجا کریں۔ یہ مجموعہ تیار ہوا تو ممالک اسلامیہ میں اسکی نقلیں بھجوائیں۔ غرض حجاج اور ولید کے عہد تک تو امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونیکی نہ رغبت ہوسکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا تجارت باپ دادا کی میراث تھی اسلیئے خز بافی کا کارخانہ قائم کیا۔ اور حسن تدبیر سے اسکو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہد خلافت میں جب درس تدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو انکے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے انکے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا۔

تحصیل علم کی تحریک

ایک دن بازار جا رہے تھے امام شعبی۔ جو کوفہ کے مشہور امام تھے انکا مکان راہ میں تھا۔ سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھکر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے پاس بلالیا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو انھوں نے ایک سوداگر کا نام لیا۔ امام شعبی نے کہا میرا مطلب یہ نہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو؟ انھوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں شعبی نے کہا کہ مجھکو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو[۱] اس نصیحت نے انکے دل میں گھر کیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے اس وقت تک علم جن چیزوں کا نام تھا وہ ادب انساب ایام العرب۔ فقہ حدیث۔ کلام تھا۔ کلام اگرچہ آجکل کا علم کلام نہ تھا کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا تاہم ان علوم میں وقت نظر۔ بلندی خیال زور طبع کیلئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا۔ اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا اسکے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر و شام پہنچکر ان میں رنگ آمیزیاں شروع ہو گئیں ان ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل عام لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں قرآن پاک میں خدا کی ذات و صفات۔ مبدا و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اسکو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص اعتقاد کے لیئے وہی کافی تھا۔ بخلاف اسکے فارس و شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہو گئیں جو وسعت تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئیں تھیں۔ تنزیہ و تشبیہ صفات عینیت و غیریت حدوث و قدم غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جنکو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنا دیا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہو گئیں اور راہوں کے اختلافات سے مختلف فرقے بنتے گئے جو قدری۔ مرجی۔ معتزلی جہمی خارجی۔ رافضی کہلائے۔ یہ فتنہ یہاں تک بڑھا کہ اہل حق

[۱] عقود الجمان باب سادس ۱۲

جو ابتک ان بحثوں سے الگ تھے اُنکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا اس طرح علم کلام پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ تدوین ترتیب کی وسعت نے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے ائمہ مذہب (مثلاً امام اشعری و ابو المنصور ماتریدی) کا مایۂ ناز ٹھہرا۔

علم کلام کی طرف توجہ

علم کلام زمانہ مابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہو گیا لیکن اُسوقت تک اُسکی تحصیل کیلئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں قدرت نے امام ابو حنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کر دی تھیں رگوں میں ایرانی خون اور طبیعت میں زور اور جدت تھی مذہبی روایتیں اور مسائل کوفہ میں ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اُٹھ بیٹھکر حاصل کر سکتا تھا۔ امام ابو حنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن بحث کرنے میں انسے جی چُراتے تھے تجارت کی غرض سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا جو ان تمام فرقوں کا دنگل و خاصکر خارجیوں کا مرکز تھا۔ اباضیہ صفریہ حشویہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اسکی نذر کر دی لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا خارجیوں وغیرہ سے اُنکے مناظرے علم کلام کی جان ہیں اُن کی علمی زندگی کے تذکرے میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کرینگے

شروع شروع میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جس قدر علم اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا اُنکی طبیعت رکتی جاتی تھی خود اُنکا بیان ہے کہ آغاز عمر میں میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجھکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انھیں باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے حالانکہ ان باتوں کی حقیقت اُنسے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ اُنکی توجہ جس قدر تھی فقہی مسائل پر تھی اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے ساتھ ہی خیال گذرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں اُنکا طرز عمل کیا ہے اس خیال سے اور بھی بیدلی پیدا ہوئی کیونکہ اِن لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا تمغائی امتیاز تھا اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آکر مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے خود تو بتا نہ سکا عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد جنکا حلقۂ درس یہاں سے قریب ہی جا کر پوچھے یہ بھی کہدیا کہ حماد جو کچھ بتائیں مجھے کہتی جانا تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی اور کہا حماد نے یہ جواب دیا۔ مجھکو سخت عبرت ہوئی اُسیوقت اُٹھ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقۂ درس میں جا بیٹھا

حماد کی شاگردی

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنی امام صاحب کا بیان ہے کہ جب میں نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں سب سے پہلے کلام کا خیال آیا ساتھ ہی دل میں گذرا کہ گو کندن و کاہ بر آوردن ہے ایک مدت کی محنت و دردسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائیں۔ ادب اور قراءت کا بجز اسکے کہ مکتب پڑھائیں اور کچھ فائدہ نہ تھا شعر و شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث کیلئے اولاً تو ایک مدت درکار تھی اسکے علاوہ

---

۱ عقود الجمان باب سادس ۱۲

کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتیں اس سے وابستہ نظر آئیں لیکن یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اسکے خلاف ہیں جو ریمارک امام صاحب کی طرف منسوب کیے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کیجا سکتی اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کیطرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں اسی کو ترجیح دی۔ یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ روایت باینہمہ گو قید کتابت میں آچکی تھی عقود الجمان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے ابن حجر نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس روایت کا جہاں ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں دوسروں کیطرف منسوب ہیں امام ابوحنیفہ کی نسبت صرف انکا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاد وقت تھے حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے اسوقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا مسعر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہیں انھیں کے حلقہ درس میں تعلیم پائی تھی حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا اسکا مدار انھیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی انکا ساتھ دیا تھا یعنے دولتمند اور فارغ البال تھے اور اس وجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کیساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ان وجوہ سے امام ابوحنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استادی کیلئے انہی کو انتخاب کیا اسوقت درس گاہ کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جسکو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے امام ابوحنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کیلئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہوگیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں انکا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیدیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی جسکا تفصیلی بیان آگے آتا ہے تاہم حماد کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ خود انکا بیان ہے کہ میں دس برس تک حماد کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع ہوتا تھا۔ اتفاق سے انھیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا۔ حماد کے سوا اور کوئی اسکا وارث نہ تھا اس ضرورت سے انکو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجھکو اپنا جانشین کر گئے تھے تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جنمیں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اسلئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاط کیلئے ایک یادداشت لکھتا گیا

حدیث کی تحصیل

دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے میں نے وہ یادداشت پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے انمیں بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں میں نے عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں اُنکی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑونگا۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ امام ابوحنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ اُن کی تعظیم کرتے تھے۔

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اُسوقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہزار ہے تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے اور انکی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سُن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چلکر رسول اللہؐ کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اسطرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بیشمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جنکے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے ان میں مکہ معظمہ مدینہ منورہ یمن بصرہ کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہمسر نہ تھا۔

کوفہ

کوفہ جو امام ابوحنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا اہل عرب کی روز افزوں ترقی کے لیئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اُسوقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مداین میں اقامت گزین تھے خط لکھا کہ مسلمانوں کیلیئے ایک شہر بساؤ جو اُنکا دار الہجرت اور قرارگاہ ہو سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی ۱۷ھ میں اُسکی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں اُسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر آباد ہونے شروع ہوئے یہانتک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بنگیا حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کیلیئے جو وہاں جا کر آباد ہوئے تھے روزینے مقرر کر دیئے چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروقؓ کوفہ کو رمح اللہ، کنز الایمان، جمجمۃ العرب، یعنی خدا کا علم ایمان کا خزانہ، عرب کا سر۔ فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے "الی راس الاسلام الی راس العرب"، حضرت علیؓ نے اس شہر کو دار الخلافہ قرار دیا صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جنمیں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوہ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے۔ اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درسگاہ بن گیا تھا[1]

[1] یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر آثار کوفہ و معجم البلدان و فتح المغیث صفحہ ۳۸۲ میں مذکور ہے ۱۲

بصرہ بھی اُسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کئے جاتے تھے۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور اُنکے مستقل ترجمے لکھے ہیں اُنمیں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع عبیدہ بن عمر اسود بن یزید۔ ابو عمر النخعی۔ زر بن حبیش۔ ربیع بن خثیم۔ عبد الرحمن بن ابی لیلی۔ ابو عبد الرحمن السلمی۔ شریح بن الحرث۔ شریح بن ہانی۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ۔ قیس بن ابی حازم۔ محمد بن سیرین۔ حسن البصری۔ شعبہ بن حجاج قتادہ بن دعامہ۔ انھیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش[1] تھے۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کیلئے مکہ قرارت کیلئے مدینہ اور حلال وحرام یعنی فقہ کیلئے کوفہ[2]۔ فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثیں اُسوقت تک نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں یہانتک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کے لیے بھی کافی نہ تھی اسکے علاوہ طریق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو اُسکے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا امام ابو حنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا اس لئے نہایت سعی اور اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی۔ تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جسکے سامنے امام صاحب نے زانوے شاگردی طے نہ کیا ہو اور حدیثیں سیکھی ہوں ابو المحاسن شافعی نے جہاں اُنکے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں ترانوے شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے نزیل تھے۔ تہذیب التہذیب۔ تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا عام طریقہ ہے) امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے تاہم انہیں کتابوں کی تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جنمیں ۲۹ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور اُنمیں اکثر تابعی تھے

شیوخ کوفہ میں خاصکر امام شعبی۔ سلمہ بن کہیل۔ محارب بن دثار۔ ابو اسحق سبیعی۔ عون بن عبد اللہ۔ سماک بن حرب عمرو بن مرہ۔ منصور بن المعتمر۔ اعمش۔ ابراہیم بن محمد۔ عدی بن ثابت الانصاری۔ عطا بن السائب۔ موسی بن ابی عائشہ۔ علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث اور سند و روایت کے مرجع عام تھے سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلہ سند اکثر انھیں بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

امام کے شیوخ حدیث

امام شعبی وہی بزرگ ہیں جنھوں نے اول اول امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا عراق۔ عرب۔ شام میں چار شخص جو استاد کامل تسلیم کئے

[1] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲ [2] معجم البلدان ذکر کوفہ ۱۲

جانتے تھے انمیں ایک یہ تھے امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب بصرہ میں حسن
شام میں مکحول۔ کوفہ میں شعبی "حضرت عبداللہ بن عمر نے انکو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ واللہ
یہ شخص اس فن کو مجھسے اچھا جانتا ہی" ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے خلفاء اور اعیان دولت انکا
نہایت احترام کرتے تھے ۱۰۴ھ ہجری یا ۱۰۶ھ ہجری میں وفات پائی۔

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جندب بن عبداللہ بن ابی اوفی ابوالطفیل اور انکے علاوہ اور
بہت صحابہ سے حدیثیں روایت کیں ابن سعد نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہی سفیان بن عیینہ (امام شافعی رحمہ کے
استاد) فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے
زیادہ صحیح الروایۃ تھے۔ منصور۔ سلمہ۔ عمرو بن مرہ۔ ابوحصین۔

ابو اسحٰق سبیعی کبار تابعین سے تھے۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ ابن زبیر۔ نعمان بن بشیر
زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ سے جنکے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بہ تفصیل لکھے ہیں حدیثیں
سنی تھیں۔ عجلی نے کہا ہی کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہی۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد تھے
انکا قول ہی کہ ابو اسحٰق کے شیوخ حدیث جنکے شمار کئے تو کم و بیش تین سو ٹھہری حافظ ابن حجر نے تہذیب میں انکا مفصل ذکر لکھا

سماک بن حرب بہت بڑے تابعی اور محدث تھے۔ امام سفیان ثوری نے کہا ہی کہ سماک نے کبھی حدیث
میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہی کہ میں اسی صحابہ سے ملا ہوں۔

محارب بن دثار نے عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ
میں نے کسی احد کو نہیں دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دوں علامہ ذہبی نے لکھا ہی کہ محارب عموماً حجت ہیں امام احمد بن معین ابو زرعہ
دارقطنی۔ ابو حاتم۔ یعقوب بن سفیان۔ نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہی۔ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے ۱۱۶ھ میں وفات کی

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کیں
نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ معزز و مشہور تابعی تھے۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں بڑے بڑے ائمہ حدیث
مثلاً سفیان ثوری۔ امام مالک۔ سفیان بن عیینہ انکے شاگرد تھے ابو جعفر منصور کے زمانے میں کوفہ گئے اہل کوفہ نے
اسی زمانے میں انسے حدیثیں روایت کیں خلیفہ منصور انکا نہایت احترام کرتا تھا ایک بار لاکھ درہم انکو عطا کئے انکے
جنازے کی نماز بھی منصور نے ہی پڑھائی تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہی کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے ابو حاتم نے انکو امام حدیث کہا ہی

سلیمان بن مہران معروف باعمش کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں انس بن مالک سے ملے تھے
اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سنی تھی سفیان ثوری شعبہ انکے شاگرد تھے۔ امام کی تحصیل حدیث کا زیادہ مدار

مدرسہ بصرہ تھا جو امام حسن بصری و شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا تعجب ہی کہ حسن بصری باوجودیکہ سنہ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے لیکن امام ابوحنیفہ کا اُنکے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہی اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہی کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اور انھوں نے اپنے سامنے ہی فتوی و روایت کی اجازت بھی دیدی تھی۔

قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے حضرت انس بن مالک و عبداللہ بن سرجس و ابو الطفیل اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں اُن میں ایک یہ ہیں اس خصوصیت میں اُنکو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معانی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا ان کی قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہی عمرو بن عبداللہ کا بیان ہی کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے ایک دن اُنھوں نے فرمایا کہ "تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو تمکو اُن میں سے کچھ یاد بھی ہیں" اُنھوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہی چنانچہ جسقدر اُنسے سنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا "خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں" اسی بنا پر لوگ اُنکو احفظ الناس کہا کرتے تھے امام حنبل انکی فقہ و واقفیت اختلافات و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہی اور کہا ہی کہ "کوئی شخص ان باتوں میں انکی برابر تو ہو۔ مگر ان سے بڑھکر نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں انکا حال تفصیل سے لکھا ہی جس سے اُن کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہی۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں یاد تھیں سفیان ثوری نے فن حدیث میں انکو امیر المومنین مانا ہی۔ عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کئے امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا سنہ ۱۶۰ھ میں انتقال کیا سفیان ثوری کو اُنکے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا "آج فن حدیث بھی مر گیا" شعبہ کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا غیبت میں اکثر اُن کی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے ایک بار انکا ذکر آیا تو کہا کہ "جسطرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہی اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں" یحیی بن معین سے جو امام بخاری کے اُستاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ رح کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں فرمایا "اسقدر کافی ہی کہ شعبہ نے اُنکو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہیں"[1] بصرہ کے اور شیوخ جنسے امام ابوحنیفہ نے حدیثیں روایت کیں اُنمیں عبدالکریم بن امیہ و عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

امام ابوحنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنیکے لیئے حرمین جانا ضرور تھا جو مذہبی علوم کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تھا تاہم ظن غالب

---

[1] عقود الجمان باب نہم ۱۲

کہ جب اُنھوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا مورخ ابن خلکان نے لکھا ہی[۱] کہ وکیع نے خود امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہی کہ حج میں ایک حجام نے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے کئی باتوں میں مجھ پر گرفت کی میں نے اُجرت پوچھی تو بولا "مناسک چکائے نہیں جاتے،، میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا اُس نے پھر ٹوکا کہ حج میں چپکا نہیں رہنا چاہئے تکبیر کہے جاؤ حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا تو اُسنے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تم نے کہاں سیکھے۔ بولا عطا بن ابی رباح کا فیض ہی اس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہی کہ ابتدائی زمانہ تھا۔

جس زمانہ میں امام ابوحنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہ قائم تھے ان میں عطا بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا عطا مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور اُنکے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا حضرت عبد اللہ بن عباس ابن عمر بن زبیر اسامہ بن زید جابر بن عبد اللہ زید بن ارقم عبد اللہ بن سائب عقیل رافع ابو درداء ابو ہریرہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں خود اُنکا بیان ہی کہ میں دو سو بزرگوں سے ملا ہوں جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا، مجتہدین صحابہ اُنکے علم و فضل کے معترف تھے عبد اللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحب فتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطا بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطا کے سوا کوئی شخص فتوی دینے کا مجاز نہیں ہی[۲] بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی زہری عمرو بن دینار اُنھیں کے حلقہ درس سے نکلکر اُستاد کہلائے۔

امام ابوحنیفہ رح استفادہ کی غرض سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا امام نے کہا "میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضا و قدر کا قائل ہوں،، عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شامل ہوا کریں۔ روز بروز اُنکی ذہانت و طباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اُسیکے ساتھ اُستاد کی نظر میں اُنکا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ جب یہ حلقہ درس میں جاتے تو عطا اوروں کو ہٹا کر انکو اپنے پہلو میں جگہ دیتے[۳] عطا ۱۱۵ھ تک زندہ رہے اس مدت میں امام ابوحنیفہ رح کو جب مکہ معظمہ جانیکا اتفاق ہوتا تو اُنکی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے

عطا کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جنسے امام نے حدیث کی سند لی اُنمیں سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہی عکرمہ حضرت عبد اللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے اُنھوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے اُنکی تعلیم و تربیت کی تھی۔ یہانتک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتوی کا مجاز کر دیا تھا عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی۔ ابو ہریرہ عبد اللہ بن عمر۔ عقبہ بن عمر۔ صفوان۔ جابر۔ ابو قتادہ سے حدیثیں سیکھی تھیں اور فقہی مسائل تحقیق کئے تھے کم و بیش

[۱] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عطا ابن ابی رباح ۱۲ [۲] ابن خلکان اور کتب رجال میں اُنکے حالات پڑھو ۱۲ [۳] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ۱۲ [۴] عقود الجمان باب سیزدہم ۱۲

ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں انکے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن کا جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہیں رہا
سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے اُن سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھکر بھی کوئی عالم ہے فرمایا ہاں عکرمہ

اسی زمانہ میں یعنی ۱۰۲؁ھ سے پہلے امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرارگاہ تھا
صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں عموماً
انکی طرف رجوع کیا جاتا تھا ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا
کہ تمام ممالک اسلامی میں واسطہ در واسطہ اُنکے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتا
کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے مدینہ کی فقہ جسکی تدوین امام مالک نے کی اُسکی بنیاد زیادہ تر انھیں کے فتووں پر ہے

تابعین سبعہ — امام ابوحنیفہ جب مدینہ پہونچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمانؒ سالم بن عبداللہ سلیمان
حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے
انکا دوسرا نمبر تھا سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ دونوں
بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابوحنیفہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود رہی تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر
حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال کھنچ کر
جمع ہو جاتے تھے جنکا مقصد حج کے ساتھ افادہ و استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے اور
مستفید ہوتے امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں ان سے
تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی۔

اوزاعی — یہانتک کہ ظاہر بینوں نے اُنکو قیاس مشہور کر دیا تھا۔ انھیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ
کے مشہور شاگرد ہیں بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی
نے ان سے پوچھا کہ "کوفہ میں ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے" اُنھوں نے کچھ جواب نہ دیا
اور گھر چلے گئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا ساتھ لیتے گئے۔ اوزاعی نے اُنکے ہاتھ سے وہ اجزا لے لیے
سرنامہ پر لکھا تھا "قال نعمان بن ثابت" دیر تک غور سے دیکھا کئے پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں انھوں نے
کہا عراق کے ایک شیخ ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے عبداللہ نے عرض کی
یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جنکو آپ مبتدع بتلاتے تھے اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔ حج کی تقریب سے اوزاعی
مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی انھیں مسائل کا ذکر آیا اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے
اُنکا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانیکے بعد مجھ سے

کہا کہ "اس شخص کے کمال نے اسکو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے شبہہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا میں افسوس کرتا ہوں"
تاریخوں سے ثابت ہی کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہی غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

امام باقر علیہ السلام کی شاگردی

حضرت امام باقر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے انکے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں انھوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ہاں تمھیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو" انھوں نے نہایت ادب سے کہا "معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہی آپ تشریف رکھیں تو عرض کروں" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی
(ابوحنیفہ) مرد ضعیف ہی یا عورت (امام باقر) عورت (ابوحنیفہ) وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہی یا عورت کا (امام باقر) مرد کا (ابوحنیفہ) میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیئے۔ پھر پوچھا نماز افضل ہی یا روزہ (امام باقر) نماز (ابوحنیفہ) اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتوی دیتا ہوں امام باقر اسقدر خوش ہوئے کہ اٹھکر انکی پیشانی چوم لی[1]۔ ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہی کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے انکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہی ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ خیال کی ہی کہ امام ابوحنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اس لیئے انکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہی امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں انکو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت۔ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادری بما فیہا یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک طالب العلم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہوجاتا کہ فقیہ عراق عرب کو جا رہا ہے جس شہر یا گاؤں میں گزر ہوتا ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوجاتا۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی ارباب حدیث و فقہ دونوں فرقے کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے جاکر کوئی کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے" ابو عاصم نبیل حاضر تھے عرض کی کہ میں جاتا ہوں لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہ گئے ہیں۔ امام نے پاس بلایا اور زیادہ توجہ کے ساتھ انکی باتیں سنیں اسمیں میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابو عاصم سے فارغ ہوکر ایک طالب العلم کیطرف متوجہ

[1] عقود الجمان باب شانزدہم ۱۲

ہوتے اور پھر وہی سلسلہ قائم ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانیکا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا۔ ابو عاصم بولے میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہیں؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا "میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں۔ جب فرصت ہوگی جاؤنگا،، امام نے فرمایا "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہمیشہ وہی لیئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے[1]" ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جسکو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ بھی نہایت عزت کرتے تھے

امام صاحب کے اساتذہ انکا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کیلئے خصیب کے پاس گئے میں بھی ساتھ تھا خصیب نے انکو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کے ساتھ لاکر اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ بیضۂ نعام کے بارے میں کیا حدیث آئی ہے؟، خصیب نے کہا "اخبرنی ابو عبیدة عن عبد اللہ ابن مسعود فی بیضة النعام یصیبها المحرم ان فیه قیمته،،

امام کی صحبت

عمرو بن دینار جو کہ مشہور محدث تھے ابو حنیفہ کے ہوتے حلقہ درس میں اور کسی کیطرف خطاب نہیں کرتے تھے اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے انکے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "امام مالک کے سامنے ابو حنیفہ اس طرح مودب بیٹھے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے" اسکو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اسکو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں۔ امام مالک بھی انکا نہایت احترام کرتے تھے عبد اللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے جنکی انھوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا انکے جانیکے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص تھا؟ یہ ابو حنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں،، ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے انکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابو حنیفہ کی کی تھی وہ اٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

تعلیم حدیث کے مختلف طریقے

حجاز و عراق کے ائمہ فن روایت کے متعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے طرز تعلیم بھی مختلف تھا بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا بعض مثلاً ابراہیم شعبی صرف حافظہ سند سمجھتے تھے اکثروں نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے۔ بعض اسکے بالکل خلاف تھے ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جب تک سامنے نہ ہو اس سے روایت نہیں کیجا سکتی شعبہ جو امام صاحب کے استاد تھے ان کا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنے کو جائز سمجھتا تھا امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اسکے سخت مخالف تھے

[1] الجواہر المضیئة۔ باب الکنی ترجمہ ابو عاصم النبیل ۱۲

یہانتک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا، "کہ حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں" امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں بعض اسکے مخالف تھے یحییٰ بن سلام اتنی بات پر اُنکے حلقہ درس سے ناراض ہوکر اٹھ آئے کہ "وہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں" اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جنکو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہی امام ابوحنیفہ کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور جچی ہوئی رائے قائم کرسکیں امام موصوف نے اصول میں جو اصلاحیں کی ہیں اُنکا بیان آگے آئیگا۔

طریقہ تعلیم کی ترقی

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ اُنکی آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہو چلا تھا اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تقریباً ۱۰۱ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے الفاظ یہ تھے انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلما یعنی رسول اللہ کی جسقدر حدیثیں ہیں قلمبند کرلی جائیں ورنہ ضائع ہونیکا ڈر ہے" اور شہروں میں بھی اسی مضمون کے فرامین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جسکی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں [۱] اُسوقت سے تدوین کا عام رواج ہوگیا اور جہاں جہاں اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے شعبی (امام ابوحنیفہ کے اُستاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ میں ہوتا۔ شاگرد قلم دوات لیکر بیٹھتے اور اُستاد جو کچھ روایت کرتا اُسی کے الفاظ میں لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہوکر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہانتک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آئے اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا جس کا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں۔ ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس میں آدم بن ابی یاس اور امام مالک کے حلقہ میں ابن علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام ابوحنیفہ کے شیوخ حدیث بہت تھے

امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ اُنکے شیوخ حدیث بیشمار ہیں۔ ابوحفص کبیر نے دعویٰ کیا ہی کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں دنیا کی اور قوموں میں اُسکا اندازہ بھی نہیں کرسکتیں۔ ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت گذرے ہیں جنکے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ان لوگوں کے نام بھی گنائے ہیں

[۱] فتح المغیث صفحہ ۲۳۹ ومقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۲۶۔

لیکن انصاف یہ ہی کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہی اور اسکا خود محدثین کو اعتراف ہی علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں انکے شیوخ حدیث کے نام گنوائے ہیں اخیر میں لکھدیا ہی "وخلق کثیر" حافظ ابو المحاسن شافعی نے عقود الجمان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور اخیر میں لکھدیا ہی کہ یعنی ایک دوسری کتاب ہی جس کا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہی ان لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں لیکن چونکہ انکی فہرست زیادہ تر فقہائے حنفیہ سے ماخوذ ہی ممکن ہی کہ محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہ ہو

افسوس ہی کہ محدثین نے امام مالک کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں اور جنمیں انکے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہی ہماری نظر سے نہیں گذریں رجال کی مستند کتابیں جن میں امام کا ذکر ہی ہمارے سامنے ہیں لیکن ان میں سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں اسوجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہیں مل سکتی مختصر تاریخ بغداد۔ تہذیب الکمال[1]۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ملخص طبقات الحفاظ۔ تہذیب التہذیب انساب سمعانی۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار امام محمد کے تتبع سے جسقدر انکے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہیں انکے

شیوخ حدیث کا شمار

نام حسب ذیل ہیں۔ انمیں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ عطاء بن ابی رباح مکی۔ عاصم بن ابی النجود کوفی۔ علقمہ بن مرثد کوفی۔ حکم بن عتبہ کوفی۔ سلمہ بن کہیل کوفی۔ حضرت امام باقر علیہ السلام مدنی۔ علی بن الاقمر الکوفی۔ زیاد بن علاقہ کوفی۔ سعید بن مسروق کوفی۔ عدی بن ثابت انصاری کوفی۔ عطیہ بن سعید کوفی۔ ابو حیان سعدی۔ عبد الکریم بن امیہ بصری۔ یحییٰ بن سعید مدنی۔ ہشام بن عروہ مدنی (التہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی)۔ ابو اسحق السبیعی کوفی۔ نافع بن عمر مدنی۔ عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج المدنی۔ قتادہ بصری۔ عمرو بن دینار المکی۔ محارب بن دثار کوفی۔ ہیثم بن حبیب الصراف کوفی۔ قیس بن مسلم کوفی۔ محمد بن عمر المدنی۔ یزید الفقیر کوفی۔ سماک بن حرب کوفی۔ عبد العزیز بن رفیع المکی۔ مکحول شامی۔ عمر بن مرۃ الکوفی۔ ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی۔ عبد الملک بن عمر کوفی۔ منصور بن زاذان۔ منصور المعتمر۔ عطاء بن السائب الثقفی۔ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی۔ عاصم بن سلیمان الاحول بصری۔ اعمش کوفی۔ عبد اللہ بن عمر بن حفص المدنی۔ امام اوزاعی (طبقات الحفاظ ذہبی از مقامات مختلفہ) ابراہیم بن محمد الکوفی۔ اسمعیل بن عبد الملک المکی۔ حارث بن عبد الرحمن المکی۔ خالد بن علقمہ الوداعی۔ ربیعۃ الرائی۔ شداد بن عبد الرحمن بصری۔ شیبان بن عبد الرحمن بصری۔ طاؤس بن کیسان یمنی۔ عبد الرحمن بن دینار المدنی۔ عکرمہ مولی ابن عباس مکی۔ عون بن عبد اللہ کوفی۔ قابوس بن ابی ظبیان کوفی

[1] ان کتابوں میں تہذیب الکمال میری نظر سے نہیں گذری مولوی عبد الحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد میں امام ابو حنیفہ کے شیوخ تہذیب الکمال کے حوالے سے لکھے ہیں۔ میں نے اسی کے حوالے سے لکھے ہیں ۱۲

محمد بن السائب الکلبی کوفی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری - ابو سعید مولی ابن عباس (تہذیب کمال) موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی صلت بن بہرام - عثمان بن عبد اللہ بن حوشب - ہلال ہیثم بن ابی الہیثم حصین بن عبد الرحمن معن میمون بن سیاہ - جواب التیمی - سالم الافطس - یحییٰ بن عمرو بن سلمہ عمرو بن جبیر عبید اللہ بن عمر محمد بن مالک الہمدانی - ابو السوار خارجہ بن عبد اللہ - عبد اللہ بن ابی زیاد - حکم بن زیاد - کثیر الاصم - حمید الاعرج ابو العطوف - عبد اللہ بن الحسن سلیمان الشیبانی - سعید المرزبان - عثمان بن عبد اللہ - ابو حجیہ (کتاب الآثار امام محمد)

ہم نے اسقدر نام سرسری طور سے انتخاب کئے ہیں زیادہ چھان بین کرتے تو شاید عقود الجمان کی فہرست کی برابر اُترتے لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے لیئے کثرت شیوخ اسقدر فخر کا باعث نہیں جتنا کہ اُنکی احتیاط اور تحقیق ہی وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جسقدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اُسیقدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہی - یہی بات ہی کہ اُنکے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جنکو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہی یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل و دیانت و پرہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے تھے ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں - انکی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالبعلموں سے الگ تھا بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اسباب میں وہ اُستادوں کی مخالفت کی بھی کچھ پروا نہ کرتے تھے ایک دفعہ حماد کیساتھ امام اعمش کی مشایعت کو نکلے چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا - وضو کیلیئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ مل سکا حماد نے تیمم کا فتوی دیا - امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیئے - اتفاق یہ کہ کچھ دور چلکر پانی ملگیا اور سبنے وضو سے نماز ادا کی کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اُستاد سے مخالفت کی - اور غالباً یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا - امام شعبی اُنکے اُستاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں - ایکدفعہ اُستاد و شاگرد کشتی میں سوار جارہے تھے - اس مسئلہ کا ذکر آیا - امام صاحب نے کہا ضرور معصیت میں کفارہ ہی - کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہی اور اس آیت میں وانہم لیقولون منکرا من القول وزورا تصریح کر دی ہی کہ ظہار معصیت ہی امام شعبی کچھ جواب نہ دیسکے خفا ہوکر فرمایا اقیاس انت عطا بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنے پوچھے وآتیناہ اہلہ ومثلہم معہم عطا نے کہا - خدا نے حضرت ایوب کی آل و اولاد جو مرگئی تھی زندہ کر دی اور اُنکے ساتھ اور نئی پیدا کر دی - امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اُسکی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے

امام صاحب کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ انکو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں جن شہروں میں اُنکو رہنے کا اتفاق ہوا یعنی کوفہ - بصرہ - مکہ - مدینہ - یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں ہاں کی ہواؤں میں سرایت کرگئی تھیں علماء سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونیکا شوق امام کے خمیر میں داخل تھا ساتھ ہی اُنکی شہرت

---

۵۱ عقود الجمان باب ثامن ۱۲ ۵۲ مختصر تاریخ بغداد ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

اس حدتک پہنچ گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ کی غرض سے خود اُن کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس و افتا و بقیہ زندگی

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا درجہ حاصل کرلیا تھا عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کیوقت کم وبیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُستاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائیں اگلے زمانہ میں اُستاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اُسکا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے خود امام سے منقول ہے کہ حماد جبتک زندہ رہے میں نے اُنکے مکان کیطرف کبھی پانوں نہیں پھیلائے حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا دار و مدار انہیں پر آ گیا تھا اُنکی موت نے کوفہ کو بے چراغ کردیا حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا لوگوں نے انہیں کو مسند درس پر بٹھایا لیکن وہ لغت اور عربیت کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے اُن کی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے لیکن اکثر بزرگوں کی صحبتیں اُٹھائی تھیں اور اس وجہ سے لوگوں پر اُنکا ایک خاص اثر تھا چند روز تک حلقہ درس اُنکی وجہ سے قائم رہا وہ حج کو چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں مختلف حالتوں کا اقتضا دیکھو! یا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں اُستاد کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب اور لوگ خو کرتے ہیں اور اُنکو اُسکی ذمہ داریوں کے لحاظ سے انکار ہے تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چار ناچار قبول کرنا پڑا پھر بھی دل مطمئن نہ تھا حافظ ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ انھیں دنوں میں خواب دیکھا کہ "پیغمبر خدا کی قبر مبارک کھود رہے ہیں" ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے امام ابن سیرین علم تعبیر کے اُستاد مانے جاتے تھے اُنھوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے امام صاحب کو تسکین ہوگئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوئے خواب کا ذکر تمام مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زیادہ۔ اور ابن سیرین کی تعبیر گوئی محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے ۱۱۰ھ میں قضا کرچکے تھے بہرحال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی۔ اول اول حماد کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر اُنکے حلقہ میں آملیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود اُنکے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام اعمش وغیرہ اُن سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو اُنکی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو جن جن مقامات کے رہنے والے اُنکی خدمت میں پہنچے اُن سب کا شمار نہیں ہو سکتا لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کیساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسط۔ موصل۔ جزیرہ۔

رقہ۔ نصیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استرآباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔
رے۔ قومس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ نسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان۔ ترمذ۔
ہرات۔ قہستان۔ الرہم۔ خوارزم۔ سیستان۔ مدائن۔ مصیصہ۔ حمص[1]۔ مختصر یہ کہ اُنکی اُستادی کے حدود خلیفۂ وقت
کی حدود کے برابر تھے رفتہ رفتہ عراق میں اُنکا ملکی اثر قائم ہو گیا۔ یہانتک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگونکو
اُنکی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں کہ زید بن علی نے بنو امیہ کے عہد میں جو بغاوت
کی تھی امام صاحب بھی اُس میں شریک تھے،، نامۂ دانشوران کے مؤلفوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے لیکن ہم اسپر
یقین نہیں کر سکتے جسقدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ان میں کہیں اسکا ذکر نہیں حالانکہ
اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے سنہ ۱۲۱ھ میں بغاوت کی تھی اُسوقت ہشام بن عبدالملک
تخت خلافت پر متمکن تھا ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت جزرس تھا لیکن اسکی سلطنت نہایت
امن و امان کی سلطنت تھی ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا رعایا عموماً رضامند تھی بیت المال
میں ناجائز آمدنیاں داخل نہیں ہو سکتی تھیں اس حالت میں امام ابو حنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی زید بن علی
سادات میں ایک صاحب ادعا شخص تھے بے شبہہ اُنکو بغاوت کرنی ضرور ہی تھی کیونکہ (خیال اُنکے) خلافت اُنکا
خاص حق تھا غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا خاندان اہلبیت کیساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا
امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی۔ کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعہ پن کا
اثر تھا ان اتفاقی واقعات نے امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اس کے
خلاف ہیں ہشام نے سنہ ۱۲۵ھ میں وفات کی اُسکے بعد ولید بن یزید۔ یزید الناقص۔ ابراہیم بن الولید۔ مروان الحمار
یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد میں
نہایت قوت پکڑ گئی۔ ابو مسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی
چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاص کوفہ تھا۔ مروان نے یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا
جو نہایت مدبر۔ دلیر۔ فیاض۔ خاندانی اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا
تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل میں اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پُرزے نہیں ہیں اس بنا پر اُس نے چاہا کہ ایوان حکومت
مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے۔ عراق کے تمام فقہا کو جنمیں قاضی ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ داؤد بن ہند بھی شامل تھے
بلا کر بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیں امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا اُنھوں نے صاف انکار کیا یزید نے
قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا۔ اُنکے ہم صحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے اور کہا کہ اگر

سلسلہ درس کی وسعت

زید بن علی کے خروج میں امام صاحب شریک نہ تھے

[1] عقود الجمان باب عاشر ۱۲

یزید کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھکو گوارا نہیں نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اُس پر مہر کروں
یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز انکو دس دُرّے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے
باز نہ آئے آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا ایک روایت میں ہے کہ اُسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور ۱۳۶ھ تک وہیں
رہے ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے پر تھا ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی اُنکے لئے تجویز ہوا ہو اور
اُنھوں نے اس سے بھی انکار کیا ہو ۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور
آل عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا اُس نے چار برس کی حکومت کے بعد
۱۳۶ھ میں قضا کی سفاح کے بعد اُسکا بھائی منصور تخت نشین ہوا عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا
یہاں تک کہ خلفائے بنی اُمیہ کی قبریں اُکھڑوا کر اُنکی ہڈیاں تک جلا دیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا
سکہ نہیں بیٹھا تھا جا بجا بغاوتیں اُٹھیں۔ ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت
دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں
لگی تھیں لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیے چنانچہ ایک موقع پر منصور نے عبد الرحمن سے جو اسکا بچپن کا یار تھا پوچھا
کہ ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہے؟ اُس نے کہا میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں منصور نے
کہا کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے عبد الرحمن نے کہا بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے کثرت بھی اسی کی ہوتی ہے
اور بے رحمیاں تو تھیں ہی منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک
مدت سے خلافت کا خیال پکا رہی تھی اور ایک لحاظ سے اُنکا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک اُن کی کوئی
سازش ظاہر نہ ہوئی تھی صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علویین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ انمیں ممتاز تھے
اُنکے ساتھ بے رحمیاں کیں محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے
اُنکو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جسکے بیان کرنیکو بڑا استقلال چاہیئے آخر تنگ
آکر ۱۴۵ھ میں انھیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا
اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتی کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور نے
جبراً بیعت لی خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر قوی بازو۔ فن جنگ سے واقف
تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑ کر میدان
جنگ میں مارے گئے اُنکے بعد ابراہیم اُنکے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سر و سامان سے مقابلہ کو اُٹھے
کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے سر ہانے

قبول عہدہ سے انکار

سفاح اور منصور کی سفاکیاں

نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بغاوت

۱۔ عقود الجمان باب بست و یکم ۱۲

سے تکیہ اٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا" انھیں لونڈیوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں اُنسے بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں اسوقت تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائے"۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے اُنکے دعوی خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی اُنکے ساتھ جان دینے کو تیار ہوگئے مذہبی گروہ خاصکر علماء و فقہانے عموماً اُنکا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہؒ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے سفاح ہی کے زمانہ میں اُنکی رائے قائم ہوچکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایاں نہیں۔ ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہم کو چپ رہنا چاہیئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ "امر بالمعروف بے شبہہ فرض ہے مگر اُسکے لیئے سامان شرط ہے" لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے ابو مسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا اُسکے پاس گئے اور نہایت بیباکی کیساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی اُس نے اُن کی گستاخی یا فساد پیدا ہونیکے احتمال سے اُنکو قتل کرادیا۔ امام ابوحنیفہ سنکر سخت [illegible] لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۳۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب بھی اُنکی تائید کی خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہوسکے جسکا اُنکو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامۂ دانشوران میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو انھوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اُسکے یہ الفاظ ہیں۔ اما بعد فانی قد جہزت الیک اربعۃ آلاف درہم ولم یکن عندی غیرہا ولولا امانات عندی للحقت بک فاذا لقیت القوم وظفرت بہم فافعل کما فعل ابوک فی اہل صفین اقتل مدبرہم واجہز علی جریحہم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اہل الجمل فان القوم لہم فیہ۔ یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اسوقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپکے باپ (حضرت علی) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کیئے جائیں وہ طریقہ نہ اختیار کیجیئے گا جو آپ کے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔ نامۂ دانشوران میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا اس لیئے ہم اسکی صحت پر یقین نہیں کرسکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اسمیں شبہہ نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز اسکے کہ خود شریک جنگ نہ ہوسکے اور ہر طرح پر اُنکی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑکر مارے گئے اس مہم سے فارغ ہوکر منصور

لہ الجواہر المضیئہ ترجمہ ابراہیم بن میمون ۱۲

اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے اُسوقت تک منصور
پایۂ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان
کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے منصور نے ایک دوسرا دار الخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا ۱۴۶ھ
میں بغداد پہنچکر امام ابوحنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پائے تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنو اُمیہ کی تباہی کے بعد

امام ابوحنیفہ بغداد طلب کیے گئے

معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے منصور نے گو پہلے ہی اُنکے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تاہم بہانہ ڈھونڈتا
تھا دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حجابہ کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں سے اُنکو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں
آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی امام نے اُستادوں کے نام بتائے جن کا
سلسلہ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا ہے منصور نے اُنکے لیے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے انکار
کیا اور کہا کہ "میں اسکی قابلیت نہیں رکھتا" منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا "اگر میں
جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا"
یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا لیکن درحقیقت وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اُٹھا سکتے تھے اُنہوں نے منصور کے سامنے

عہدہ قضا سے انکار

ناقابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل سچی تھیں یعنی یہ کہ "مجھکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں میں عربی النسل
نہیں ہوں اسلیے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی درباریوں کی تعظیم کرنی پڑیگی اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا"
پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تمکو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہ کرونگا
اس جرأت اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابوحنیفہ تم امیر المومنین کے مقابلہ میں
قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا ہاں کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔
خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دار القضا میں جا کر بیٹھے ایک مقدمہ پیش ہوا ایک
قرضہ کا دعویٰ تھا لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے
کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آتا وہ تیار ہو گیا "واللہ" کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر روک دیا
اور آستین سے کچھ روپیہ نکالکر مدعی کے حوالے کئے کہ تم اپنا قرض لو ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلواتے ہو۔
عدالت سے آکر منصور سے کہدیا کہ مجھسے کسی طرح یہ کام نہیں چل سکتا اسپر حکم ہوا کہ قید خانہ بھیجے جائیں جس سے

قید

اُسوقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے اس مدت میں منصور اکثر اُنکو قید خانہ سے بلا لیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا

وفات رجب سنہ ۱۵۰ ہجری

منصور نے امام کو سنہ ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اس حالت میں بھی اُسکو اُنکی طرف سے اطمینان نہ تھا بغداد دار الخلافہ

ہونیکی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بنگیا تھا طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشے سے اُٹھکر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے امام صاحب کی شہرت دُور دُور پہنچ چکی تھی قید کی حالت نے اُنکے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنیکے اور زیادہ کر دیا تھا بغداد کی علمی جماعت جسکا شہر میں بہت کچھ اثر تھا اُنکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے انکو گو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امر اُنکے ادب اور تعظیم کے خلاف نکر سکتا تھا قید خانہ میں اُنکا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قید خانہ ہی میں اُن سے تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کیطرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کیحالت میں بھی باقی رہا جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بیخبری میں انکو زہر دلوا دیا جب اُنکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالتمیں قضا کی اُنکے مرنیکی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمنڈ آیا حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا۔ نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں" غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اسپر بھی آنیوالوں کا سلسلہ قائم تھا یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر لاش دفن ہو سکی امام نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ اُنکے خیال میں مغصوب نہ تھی اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب اُنکا مقبرہ تیار ہوا مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ "دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ اُنکے جنازہ کی نماز پڑھا کئے" قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی؟

اُسوقت اُن ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جنمیں بعض خود امام صاحب کے اُستاد تھے سب نے اُنکی مرنے کا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے ابن جریج مکہ میں تھے سنکر کہا "انا للہ بہت بڑا علم جاتا رہا" شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابو حنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ میں اندھیرا ہو گیا" اس واقعہ کے چند روز بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جانیکا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا "ابو حنیفہ! خدا تم پر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ افسوس تم نے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا۔

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل و فیاض تھا ۴۵۹ھ میں اُنکی قبر پر ایک قبہ اور اُسکے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا غالباً بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا ہے وہ اسی سنہ میں لیکن اسکے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے لاجواب تھا۔ ابو سعید شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تھا اُسکے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علما اور عمائد شریک تھے اتفاق سے اُسی وقت ابو جعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

امام صاحب کو زہر دیا گیا

۱؎ عقود الجمان میں یہ تمام تفصیل مذکور ہے ۱۲

الم تر ان العلم کان مبددا	فجمعہ ھذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت ھذہ الارض میتہ	فانشرھا فعل الجمیل الی سعد

یعنی "تم دیکھتے نہیں! علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا پھر اس شخص نے اُسکو ترتیب دی جو اس لحد میں مدفون ہی اسیطرح یہ زمین مردہ پڑی تھی ابو سعد کی کوشش نے اُسکو دوبارہ زندہ کیا۔ یہ مدرسہ جو مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہی مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اُسکے پروفیسر مقرر ہوئے جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ میں اکثر پائے جاتے ہیں سنہ ۲۹۳ھ میں حکیم ابن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں[1] اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا شائقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے اُنکو وہاں سے کھانا ملتا تھا۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جسوقت بغداد میں پہنچا ہی عباسی حکومت کا اخیر زمانہ تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہی کہ "اسوقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہی جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو" آج بھی اُنکا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات میں سے ہے حال کے شاہ ایران سلطان ناصر الدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے اپنے حالات سفر میں اُسکا ذکر کیا ہی اور لکھا ہی کہ "میں نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی" علم کی شان دیکھو جسکی بدولت کوفہ کے ایک بزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج اُسکے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اسقدر یقینی ہی کہ وفات کے وقت حماد کے سوا کوئی اور اولاد موجود نہ تھی حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے۔ بچپن میں اُنکی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی چنانچہ جب الحمد ختم کی تو اُنکے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچسو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی علم و فضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے امام صاحب نے جب انتقال کیا تو اُنکے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا اُنھوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جنکی امانتیں ہیں اُنکو پہنچا دی جائیں قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہیگا۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ اُنکی جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے۔ غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے اور اُسوقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دیدی گئیں تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذیقعد سنہ ۱۷۶ھ میں قضا کی چار بیٹے چھوڑے عمر۔ اسمٰعیل ابو حیان۔ عثمان۔ اسمٰعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ مامون الرشید نے اُنکو عہدہ قضا

[1] ابن خلکان ترجمۂ یحیی بن عیسے بن جزلہ الطبیب ۱۲

پر مامور کیا۔ جسکو اُنھوں نے اس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر اُنکی مشایعت کو نکلا اور سب لوگ اُنکی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے[۱]۔ مسافر نے اُنکی مدح میں کہا ہے

اذا ما الناس یوما قایسونا ... بآبدۃ من الفتیا طریفۃ
اتیناھم بمقیاس صحیح ... تلاد من طراز ابی حنیفۃ
اذا سمع الفقیہ بھا وعاھا ... واثبتھا بحبر فی صحیفۃ

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی لیکن اُنکی جسمانی اولاد بھی جا بجا موجود ہے خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جنکا سلسلہ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسل اُنکی میراث میں چلا آتا ہے۔

اخلاق و عادات

مبالغہ آمیز روایتیں

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اُس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی۔ "چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی"، "تیس برس تک متصل روزے رکھے"، "جہاں وفات کی اُس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا"، "نہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں ایک مدت تک مچھلی نہیں کھائی اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ اُنکا ذاتی صرف صرف دو درہم ماہوار تھا"، یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے اُنکی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین اُنھیں دور از کار قصوں کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ اُنسے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں وہ بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنمیں یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اُسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدلجاتی ہے معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کیلئے ایسی سند درکار ہے جسمیں ذرا بھی شبہہ کی گنجائش ہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کیلئے جو قیدیں ضروری ہیں اُنسے بھی کچھ بڑھکر ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو امام صاحب کی دانشمندی دقیقہ سنجی نکتہ شناسی پر جسقدر نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سمعی نہیں عیانی موجود ہے تو ان واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے جو رہبانیت اور سنت اعتدال کی حد سے بھی متجاوز ہیں۔ امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح (مگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو جو اُنھوں نے ہارون الرشید کے سامنے بیان کی تھی۔ ہارون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان

[۱] ابن خلکان ترجمہ حماد ۱۲ [۲] معارف ابن قتیبہ ترجمہ امام ابو حنیفہ رح ۱۲

کیجئے ہم لوگوں سے کہا جہانتک میں جانتا ہوں ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے منہیات سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور اُنکو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے اہل دنیا سے احتراز تھا دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے غیبت سے بہت بچتے تھے جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے ہارون الرشید نے یہ سنکر کہا صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں" عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جسقدر سادہ اور آسان ہے درحقیقت اُسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا میانہ قد، خوشرو اور موزوں اندام تھے گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے مزاج میں تکلف تھا اور اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاب قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی اُنکے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن اُنکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی" ایک دن نضر بن محمد اُنسے ملنے گئے امام صاحب کہیں باہر جانیکی تیاری کر رہے تھے۔ ان سے کہا کہ ذرا دیر کے لیئے اپنی چادر مجھے دیدو۔ واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لیکر مجھے شرمندہ ہونا پڑا اُنھوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے نضر کہتے ہیں میں نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجھکو اُسپر ناز تھا اسلیئے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا۔ لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے اُنکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا" خلیفہ منصور نے درباریوں کے لیئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنی تھیں اور انپر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو دلامہ شاعر نے ظرافتہً کہا۔

لباس

وکنا ترجی من امام زیادة	فزاد الامام المرتضی فی القلانس

درباری ٹوپی

یعنی ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی امید تھی سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا" امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسوں بھاگتے تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امراء کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے دنیاداروں اور دولتمندوں کیلئے تو ایک معمولی بات ہے لیکن علماء کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں۔ اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں اور علماء سے بالکل جدا تھا اُنکے ہمعصر عموماً شاہی دربار یا وزراء اور امراء کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے قاضی ابن عبدالبر کہتے ہیں کسی نے اعتراض کیا تھا کہ آپ امراء کے وظیفہ خوار ہیں اُنھوں نے اسکے جواب میں بعض صحابہ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو امراء کے روزینے اور انعامات سے زندگی

بسر کرتے تھے اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والوں کی طرح کاہلی اور مفت خوری کا اثر نہیں سمجھتے کیونکہ اُس زمانہ تک تعلیم
کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تھا علما بطور خود اپنے گھر و نیز یا مسجدوں میں لوگوں کو مفت تعلیم
دیتے تھے اور یہ سلسلہ اسقدر وسیع اور مفید تھا کہ آجتک اس سے بڑھکر نہ ہو سکا۔ امرا کے ہاں سے ان لوگوں کے
لیئے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر مل جاتا تھا اُسکو ان آنریری پروفیسروں کی تنخواہ سمجھنا چاہئے
لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہیں مثالوں سے بیزاری اور مفت خوری کی بنیاد قائم ہو گئی جسنے
قوم کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا بے شبہ امام ابوحنیفہ اس اصول کے سخت مخالف تھے اور اس لحاظ
سے انکی مخالفت بجا بھی تھی۔ اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کبھی باک

وظیفہ خواری سے اجتناب

نہیں ہوتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور بیباک گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اُسکے اثر سے بچنا ناممکن
نہیں تو قریباً ناممکن ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہوئے اور اس وجہ سے اُنکی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی
تھی اکثر موقعوں پر وہ اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے ابن ہبیرہ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا اُنسے

آزادی اور بے نیازی

بہ لجاجت کہا کہ "آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھپر احسان ہوتا فرمایا "میں تم سے ملکر کیا کرونگا۔ مہربانی سے پیش
آؤگے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں عتاب کروگے تو میری ذلت ہے تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھکو
اسکی حاجت نہیں میرے پاس جو دولت ہے اُسکو کوئی چھین نہیں سکتا" عیسیٰ بن موسیٰ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گزرا
خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ منصف
عدل نہیں کرتا منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو۔ اُسنے امام صاحب کا نام لیا اُسی وقت طلبی کا فرمان گیا خاتون
پردہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سنے منصور نے پوچھا شرع کی رو سے مرد کتنے
نکاح کر سکتا ہے امام صاحب نے کہا چار۔ منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سنتی ہو! پردہ سے آواز آئی کہ ہاں سنا امام
صاحب نے منصور کی طرف خطاب کر کے کہا مگر یہ اجازت اُس شخص کیلئے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو ورنہ ایک سے زیادہ

بلا غرض حق گوئی

نکاح کرنا اچھا نہیں خدا خود فرماتا ہے وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً منصور چپ ہو گیا امام صاحب
گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لیے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ معاً کنیز آپکو سلام
کہتی ہے اور آپکی حق گوئی کی نہایت مشکور ہے" امام صاحب نے روپے پھیر دیئے اور خادم سے فرمایا جا کر خاتون سے
کہنا کہ "میں نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہیں کہا۔ بلکہ میرا فرض منصبی تھا۔

تجارت اور دیانت

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے
بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ
ناجائز طور پر ایک حبہ بھی اُنکے خزانہ میں نہیں داخل ہو سکتا تھا اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان اُٹھانا پڑتا تھا مگر اُنکو کچھ

پروا نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حفص بن عبد الرحمن کے پاس خز کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہی خریدار کو جتا دینا۔ حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا تھان بیچ ڈالے اور خریداروں کو اس عیب سے اطلاع دی۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کر دی۔

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرا دیجئے۔ امام صاحب نے دام پوچھے اُس نے سو روپیہ بتا فرمایا کم ہیں۔ اُس نے کہا تو دو سو روپے۔ فرمایا یہ تھان پانچسو سے کم قیمت کا نہیں۔ اُسنے متعجب ہوکر کہا کہ آپ شاید ہنسی کرتے ہیں۔ امام صاحب نے پانچسو روپے اپنے پاس سے دیدئے اور تھان رکھ لیا۔ اس احتیاط اور دیانت نے اُنکے کارخانہ کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تجارت اور اکتساب دولت سے اُنکا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے شیوخ اور محدثین کیلئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اُس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال اُن لوگوں کو بھیجا دیا جاتا تھا۔ عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اُسیقدر محدثین اور علما کے پاس بھجواتے اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اُسکا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردوں میں جسکو تنگ حال دیکھتے اُسکی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کرسکے بہت سے لوگ جنکو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے انھیں میں قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

فیاضی

شاگردوں کے ساتھ سلوک

ایک دفعہ کچھ لوگ ملنے آئے۔ اُنمیں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا لوگ رخصت ہو چلے تو امام صاحب نے اُس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ جا نماز کیطرف اشارہ کیا کہ اسکو اٹھاؤ اُسنے دیکھا تو ہزار درہم کی تھیلی تھی عرض کی کہ میں دولتمند ہوں مجکو اس کی ضرورت نہیں فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسروں کو شبہہ نہو۔

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے راہ میں ایک شخص ملا جو اُنکا مقروض تھا اُسنے دور سے انکو دیکھ لیا اور کترا کے دوسری طرف چلا اُنھوں نے پکارا کہ کہاں جاتے ہو وہ ٹھہر گیا قریب پہونچے تو پوچھا مجکو دیکھکر تم نے رستہ کیوں کاٹا اُسنے کہا آپکے دس ہزار درہم مجھپر آتے ہیں جو مجھ سے ابتک ادا نہو سکے۔ اس شرم سے آنکھ برابر نہیں ہوتی امام صاحب اُسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ ایک بار سفر حج میں عبد اللہ سہمی کا ساتھ ہوا کسی منزل میں ایک بدوی نے اُنکو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپے آتے ہیں اور ادا نہیں کرتا۔ امام صاحب نے عبد اللہ سے اسکی حقیقت پوچھی۔ اُنھوں نے سرے سے انکار کیا امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے اُسنے کہا چالیس درہم متعجب ہوکر فرمایا کہ زمانہ سے حمیت اُٹھ گئی اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی! پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور

سلہ علامہ نووی نے تہذیب الاسما میں ان واقعات کو بسند بیان کیا ہے ۱۲

اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ اُنکے ایک دوست نے چندہ کر کے اُنکا قرضہ ادا کرنا چاہا لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کل کس قدر قرضہ ہی اُنھوں نے کہا چار ہزار فرمایا اتنی سی رقم کے لیئے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کہکر پورے چار ہزار درہم خود دیدئے تاریخوں میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات اُنکی نسبت منقول ہیں ہمنے اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کئے۔ اس دولتمندی اور عظمت و شان کیساتھ نہایت متواضع حلیم اور خلیق تھے ایک دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا اس نے کہا ومگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہی امام صاحب نے فرمایا حسن نے غلطی کی ۔ حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تھا طیش میں آگیا اور چلا کر " او ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہی" اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو ۔ برہم کردیا اور لوگوں نے چاہا کہ اسکو پکڑ کر سزا دیں امام صاحب نے روکا اُنکے لحاظ سے لوگ مجبور ہوگئے مگر دیر تک مجلس میں سناٹا رہا۔ لوگوں کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اُس شخص کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ہاں حسن نے غلطی کی عبد اللہ بن مسعود نے اس باب میں جو روایت کی ہے وہ صحیح ہی"

یزید بن کمیت کا بیان ہی کہ ایک دفعہ میں امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے اُنسے گستاخانہ گفتگو شروع کی۔ امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ اُس نے امام کو زندیق کہدیا۔ اسپر فرمایا کہ خدا تم کو بخشے وہ خوب جانتا ہی کہ میری نسبت جو تم نے لفظ کہا صحیح نہیں ہی امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی کسی سے انتقام نہیں لیا کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا کسی سے فریب اور بد عہدی نہیں کی۔

امام سفیان ثوری اور امام صاحب میں کچھ شکر رنجی تھی۔ ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان ثوری آپ کو بُرا کہہ رہی تھے۔ امام نے فرمایا کہ "خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے سچ یہ ہی کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اُٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا" ایکدن مسجد میں درس دے رہے تھے ایک شخص نے جسکو اُن سے کچھ عداوت تھی عام مجلس میں اُنکی نسبت ناسزا الفاظ کہے اُنھوں نے کچھ التفات نہ کی اور اسیطرح درس میں مشغول رہی شاگردوں کو بھی منع کردیا کہ اُسکی طرف متوجہ نہوں درس سے اُٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھ منہ میں آتا تھا بکتا جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا کہ بھائی یہ میرا گھر ہی کچھ باقی رہ گیا ہو تو اُٹھا نہ رکھیو کہ اب میں اندر جاتا ہوں پھر تمکو موقع نہ ملیگا۔

ایک اور دن حلقہ درس قائم تھا ایک نوجوان نے مسئلہ پوچھا امام صاحب نے جواب دیا اُس نے کہا ابو حنیفہ تم نے جواب میں غلطی کی۔ ابو الخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے اُنکو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ

بڑے بے حمیت ہو امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے تمکو ذرا جوش نہیں آتا۔ امام صاحب نے ابو الخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لیئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھ سنوں۔

ہمدردی اور ہمسائگی کا لحاظ

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اس کا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا۔ کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا۔ اضاعونی وای فتی اضاعوا ؛ لیوم کریھۃ و سداد ثغر ؛ یعنی لوگوں نے مجھکو ہاتھ سے کھودیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آتا" امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو کم سوتے تھے۔ اسکی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرط اخلاق کی وجہ کچھ تعرض نہ کرتے۔ ایک رات کوتوال شہر ادھر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کرکے قید خانہ میں بھیجدیا صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی۔ لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا اسی وقت سواری طلب کی۔ دربار کے کپڑے پہنے اور دار الامارۃ کا قصد کیا۔ یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسیٰ کہ خلیفہ منصور کا برادرزادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر۔ دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنر تھا۔ لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابوحنیفہ آپکے ملنے کو آتے ہیں اُسنے درباریوں کو استقبال کیلیئے بھیجا اور حکم دیا کہ دار الامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں۔ سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا پھر عرض کی کہ آپنے کیوں تکلیف فرمائی مجھکو بلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا" امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا ہے کوتوال نے اسکو گرفتار کرلیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کردیا جائے عیسیٰ نے اسی وقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کر دیا گیا امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہو کر چلے تو موچی بھی ہمراہ ہوا۔ امام اسکی طرف مخاطب ہوئے کہ "کیوں ہمنے تمکو ضائع تو نہیں کیا" یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جسکو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی وای فتی اضاعوا اُسنے عرض کی "نہیں آپنے ہمسائگی کا پورا حق ادا کیا" اسکے بعد اس نے عیش پرستی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

والدہ کی خدمت

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں امام کو انکی خدمت گذاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے واعظوں و قصہ گویوں کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے انکے ساتھ خاص عقیدت

ملہ یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مختلف طریقہ سے مذکور ہے میں نے کتاب الاغانی و ابن خلکان و عقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے ۱۲

کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے انکے ساتھ خاص عقیدت تھی کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کیلئے انکے پاس جاکر مسئلہ پوچھتے وہ عذر کرتے کہ آپکے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں فرماتے کہ "والدہ کا یہی حکم ہے" اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا امام صاحب سے درخواست کرتے کہ "آپ مجھکو بتادیں میں اسی کو آپ کے سامنے دہرادوں"

کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود جاکر پوچھوں گی خچر پر سوار ہوتیں امام صاحب پاپیادہ ساتھ ہوتے خود مسئلہ کی صورت بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب تسکین ہوتی ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے مجھکو کیا کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں تمہاری سند نہیں زرعہ واعظ تصدیق کریں تو مجھکو اعتبار آئے امام صاحب اُن کو لیکر زرعہ کے پاس گئے اور مسئلہ کی صورت بیان کی زرعہ نے کہا کہ آپ مجھسے زیادہ جانتے ہیں آپ کیوں نہیں بتادیتے امام صاحب نے فرمایا میں نے یہ فتویٰ دیا تھا زرعہ نے کہا کہ بالکل صحیح ہے سن کر اُن کو تسکین ہوئی اور گھر واپس آئیں ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بلاکر میر منشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر دُرّے لگوائے اُس وقت امام کی والدہ زندہ تھیں۔ ان کو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھکو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا۔ البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دلکو صدمہ پہنچتا ہے"

امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے پر سے گر پڑا دفعتہً اس زور سے چیخ اٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑ گیا۔ حلقۂ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اُس شخص کے گھر پر جاکر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جبتک وہ اچھا نہ ہوا روزانہ صبح کو جاتے اور اس کی تیمارداری کرتے تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر ان کو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی اُن کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا مایۂ خمیر تھا۔

رقت قلب

استقلال

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدوں اور ارادتمندوں کا مجمع تھا۔ اتفاقاً چھت سے ایک سانپ گرا۔ امام کی گود میں آیا۔ تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے۔ مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالک کو بھی ایک بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ اور وہ اُن کی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے تھے۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں یہ معمول تھا کہ شاگرد آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے آپ چپ بیٹھے سنا کرتے جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے سب کو تشفی ہو جاتی۔

حفظ لسان

غیبت سے بہت پرہیز رکھتے تھے اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا

ایک شخص نے کہا۔ حضرت! لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے۔ مگر آپ سے کسی کی بُرائی نہیں سنی فرمایا ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا ابوحنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا اُنہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ ایسے بیوقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو آپ برباد کردیں۔" قسم کھانی بُرا جانتے تھے اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے عہد کرلیا تھا کہ اتفاقاً بھی اس خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ دونگا اتفاق بھول کر کسی موقعہ پر قسم کھالی اس کے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دونگا۔

نہایت مرتاض اور زاہد تھے ذکر و عبادت میں اُن کو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے اس باب میں ان کی شہرت ضرب المثل ہوگئی تھی علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اُن کی پرہیزگاری اور عبادت کے تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں" اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے۔ ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی خدا کو ظالموں کی کردار سے بیخبر نہ سمجھنا امام ابوحنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ زائدہ کہتے ہیں کہ مجھکو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تھا۔ امام ابوحنیفہ کیساتھ نماز عشا میں شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کرلوں وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے وقانا عذاب السموم بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے یہانتک کہ صبح ہوگئی اور یہی آیت پڑھتے رہے۔ ایک بار نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر یعنی "قیامت گنہگاروں کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے" اسی آیت میں رات ختم ہوگئی بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے ہمعصر تھے ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نماز عشاء میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نماز نے اذا زلزلت پڑھی لوگ نماز پڑھکر چلے گئے میں ٹھہرا رہا۔ امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں میں جھجکر اُٹھ آیا کہ ان کے اوقات میں خلل نہ ہو صبح کو مسجد میں گیا دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہیں ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں کہ وہ اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دیگا۔ نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا" ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے۔ ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑگیا۔ وہ چیخ اٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام کو غش آگیا مسعر بن کدام ساتھ تھے اُنہوں نے سنبھالا ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بیقرار ہوجانا کیا تھا؟ فرمایا کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو" ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے۔ نوکر نے کپڑوں کے تھان نکالے اور تفاول کے طور پر کہا خدا ہم کو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اس قدر روئے کہ شانے تر ہوگئے۔ نوکر سے کہا کہ دوکان بند کردو۔ آپ چہرہ پر رومال ڈال کر کسی طرف نکل گئے۔ دوسرے دن کا

خشیت

عبرت پذیری

پڑ گئے تو نوکر سے کہا کہ بھائی! "ہم اس قابل کہاں کہ جنت کی آرزو کریں یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہوں"۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اگر مجھ سے مواخذہ نہ ہو نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں"۔ ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ ابو حنیفہ! خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو۔ امام صاحب پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی اس شخص کی طرف مخاطب ہو گئے اور کہا "بھائی! خدا تم کو جزائے خیر دے اگر مجھکو یہ یقین نہ ہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کریگا کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا"۔ کوئی مسئلہ مشکل آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت ہے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھتے اور استغفار کرتے۔ فضیل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہیں ان سے کسی نے یہ حکایت بیان کی بہت روئے اور کہا "ابو حنیفہ کے گناہ بہت کم تھے اس لیے ان کو یہ خیال ہوتا تھا۔ جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں ان پر ہزار آفتیں آتی ہیں اور مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہ غیبی تنبیہ ہے۔"

تقسیم اوقات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آئے ہوئے ہوتے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلمبند کر لیے جاتے۔ نماز ظہر پڑھکر گھر آتے۔ گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا باقی وقت دوستوں کے ملنے ملانے بیماروں کی عیادت۔ ماتم پرسی غریبوں کی خبرگیری میں صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا۔ نماز عشا پڑھکر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات بھر نہ سوتے۔ جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اٹھکر نماز عشا پڑھتے۔ پھر تمام رات تہجد اور ورد و وظائف میں گذرتی۔ کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طباعی۔ فتوے اور مناظرات لطائف اور دلپذیر باتیں

جو چیز امام صاحب کی۔ قوت ایجاد۔ جدت طبع۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات غرض ان کے تمام کمالات علمی کا آئینہ ہے وہ علم فقہ ہے جس کی ترتیب و تدوین میں ان کو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں لیکن اسپر تفصیلی بحث کرنے کیلئے ایک مستقل کتاب درکار ہے اسی ضرورت سے ہم نے اپنی کتاب کا دوسرا حصہ اس بحث کے لیے خاص کر دیا ہے اس موقع پر صرف وہ واقعات لکھتے ہیں جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہیں لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہیں جن پر سینکڑوں مسائل کی بنیاد قائم ہے

اس مقام پر یہ کہہ دینا ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مناظرات اور نکتہ آفرینیوں کے متعلق بہت سے قصہ یا افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر تحقیق و تنقید کے ان کو اپنی "تالیفات" میں

نقل کردیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کے لئے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی فن میں کمال کے ساتھ شہرت عام حاصل کرتا ہے اس کی نسبت اچھی یا بری سینکڑوں روایتیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور بعض حالتوں میں اس قدر عام زبانوں پر قبضہ کر لیتی ہیں کہ خواص تک کو ان پر تواتر کا دھوکا ہوتا ہے۔ لطف یہ کہ معتقدین جوش اعتقاد میں ایسی باتیں بیان کر جاتے ہیں جس کو وہ مدح سمجھتے ہیں اور در اصل ذم ہوتی ہے۔ اسی طرح مخالف عیب و منقصت کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان واقعات سے بجائے اس کے کہ اس شخص کی برائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے امام ابو حنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں بعض مصنفوں نے ان کی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصے لکھدیئے ہیں جنکو خدا نخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذاً باللہ امام صاحب کو حیلہ جو۔ چالاک متفنی سخن ساز ماننا پڑے گا۔ لیکن وہ روایتیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں اور اسی وجہ سے اہل تحقیق خصوصاً محدثین نے ان کے لکھنے سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے ہم بھی ان کو قلم انداز کرتے ہیں اور انہیں روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہیں۔

اس میں شبہہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آئے انہوں نے علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کئے تھے جو عام طبیعتوں کی دسترس سے باہر تھے۔ اس لئے ظاہر بینوں کا ایک بڑا گروہ جن میں بعض مقدس سادہ دل بھی شامل تھے انکا مخالف ہو گیا تھا اور ہمیشہ ان سے بحث و مناظرہ کے لئے تیار رہتا تھا۔ امام صاحب کو بھی مجبوراً ان کے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے اس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کر دیا تھا لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہیں مناظرہ اس وقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی عیون و الحدائق کے مصنف نے انکے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے شعبی۔ طاؤس۔ عطاء سے مناظرات کئے۔ یہ لوگ امام صاحب کے اساتذہ خاص ہیں اور وہ ان لوگوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہے جو اس عہد میں عموماً مروج تھا۔

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے۔ مکہ معظمہ میں امام ابو حنیفہ سے ملے۔ اور کہا کہ "عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں۔ اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین نہیں کرتے۔ حالانکہ میں نے زہری سے انھوں نے سالم بن عبد اللہ سے۔ انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے امام ابو حنیفہ نے اسکے مقابل میں

ف: امام صاحب کے بعض مناظرات مورخ خطیب نے تاریخ بغداد میں اور امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں علم آدم الاسماء کلہا لکھے ہیں اور عقود الجمان میں زیادہ استقصا کیا ہے ان کے علاوہ اور کتابوں میں جستہ جستہ ذکر ہے ۱۲

رفع یدین کے مسئلہ میں امام اوزاعی سے مناظرہ

حماد - ابراہیم نخعی، علقمہ، عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ آنحضرت ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔" امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ! "میں تو زہری، سالم، عبداللہ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں۔ آپ اس کے مقابلہ میں حماد، نخعی، علقمہ کا نام لیتے ہیں۔" امام ابوحنیفہ نے کہا میری رواۃ آپ کی رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے اس لیئے اُن کی روایت کو ترجیح ہے۔" امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی میں نقل کیا ہے[1]۔ اور گو واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کرسکے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہے۔

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں ہوگی۔ یہاں امام رازی کے حوالے سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیوں کو بھی انکار نہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق امام محمد نے کتاب الحجج میں ایک لطیف بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہماری روایت عبداللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک اس لیئے بحث کا تمام تر مدار اس پر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کس کی روایت ترجیح کے قابل ہے۔ عبداللہ بن مسعود آنحضرت کے زمانے میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے جماعت کی صف اول میں جگہ پاتے تھے۔ بخلاف اس کے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور ان کو دوسری تیسری صف میں کھڑا ہونا پڑتا تھا اسلیئے آنحضرت کے حرکات و سکنات سے واقف ہونے کے جو موقعے عبداللہ بن مسعود کو مل سکے عبداللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہوسکتے تھے۔ امام محمد کا یہ طرز استدلال حقیقت میں اصول درایت پر مبنی ہے امام ابوحنیفہ صاحب نے اپنی تقریر میں عبداللہ بن مسعود کی عظمت و شان کا جو ذکر کیا اس میں اُسی کی طرف اشارہ ہے۔ ایک دن بہت سے لوگ جمع ہوکر آئے کہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا "اتنے آدمیوں میں تنہا کیونکر بحث کرسکتا ہوں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کرلیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو۔ اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے۔" لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا "آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کردیا۔ اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے۔

قرأت خلف امام

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کردیا۔ بلکہ حقیقت میں یہ اس حدیث کی تشریح ہے جس کو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقرأة الامام قرأة له یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت بھی اس کی قرأت ہے۔" یہ امام صاحب کے مختصات میں ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھا دیتے تھے کہ

[1] علامہ ابن ہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر میں ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات سے اسکے اشارے پائے جاتے ہیں ۱۲

مخاطب کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھی ایک دفعہ ضحاک

ایک خارجی سے گفتگو

خارجی جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا۔ امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ "توبہ کرو" انہوں نے پوچھا کس بات سے۔ ضحاک نے کہا تمہارا عقیدہ ہے کہ علی علیہ السلام نے معاویہ کے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنی؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجھکو تقریر کی اجازت دو۔ ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحب نے فرمایا یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تھا پھر ان پر الزام کیا ہے؟ ضحاک دم بخود ہو گیا۔ اور چپکا اٹھکر چلا گیا یہی ضحاک نے ایک بار کوفہ پہنچکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی۔ دوڑے گئے اور پوچھا کہ آخر ان لوگوں نے کیا جرم کیا ہے؟ اس نے کہا یہ سب مرتد ہو گئے ہیں امام صاحب نے فرمایا "پہلے ان لوگوں کا کچھ اور مذہب تھا جسکو انہوں نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جواب رکھتے ہیں؟ ضحاک نے کہا۔ کیا کہا پھر کہنا امام صاحب نے زیادہ وضاحت سے بیان کیا ضحاک نے کہا بیشبہہ میری خطا تھی اسوقت حکم دیا کہ "تلواریں نیام میں کرلیجائیں"

قتادہ بصری سے مناظرہ

قتادہ بصری جن کا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں ہم لکھ آئے ہیں کوفہ میں آئے اور اشتہار دیدیا کہ مسائل فقہ میں جسکو جو پوچھنا ہو پوچھے میں ہر مسئلہ کا جواب دونگا چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے بڑا مجمع ہوا جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے کھڑے ہو کر پوچھا کہ "ایک شخص سفر میں گیا۔ برس دو برس کے بعد اس کے مرنے کی خبر آئی۔ اسکی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی چند روز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اسکو انکار ہے کہ میری صلب سے نہیں ہے زوج ثانی دعوے کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونوں اس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے"؟ قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش آئی ہے"؟ امام نے کہا نہیں لیکن علمار کو پہلے تیار رہنا چاہیئے کہ وقت پر تردد نہ ہو قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر میں دعوی تھا بولے کہ ان مسائل کو رہنے دو تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو امام ابو حنیفہ نے کہا اس آیت کے کیا معنی ہیں قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یہ وہ قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دربار میں بلقیس کے تخت لانے کی فرمائش کی اور ایک شخص نے جو غالباً آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے دعوی کیا کہ میں چشم زدن میں لا دونگا اہل کتاب کی روایت ہے کہ آصف بن برخیا اسم اعظم جانتے تھے جسکی تاثیر سے اکر وہیں تمام سے یمن پہنچکر تخت اٹھا لائے

یہی روایت عام مسلمانوں میں پھیل گئی تھی - اور اسی کے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا قتادہ نے بھی یہی معنی بیان کیے امام ابو حنیفہ نے کہا حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں" قتادہ نے کہا نہیں امام صاحب نے کہا "کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانے میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہ ہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو" قتادہ کچھ جواب نہ دے سکے - اور کہا کہ عقائد کے متعلق پوچھو! امام صاحب نے کہا "آپ مومن ہیں" اکثر محدثین اپنے آپ کو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط میں داخل سمجھتے تھے حسن بصری سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ "انشاء اللہ" پوچھنے والے نے کہا انشاء اللہ کا کیا محل ہے" فرمایا کہ "میں اپنے تئیں مومن تو کہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خدا یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے" قتادہ نے بھی امام ابو حنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا" لیکن حقیقت میں یہ ایک قسم کی وہمی حالت ہے - ایمان اعتقاد کا نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعاً مومن ہے اور اسکو سمجھنا چاہیئے کہ میں مومن ہوں البتہ اگر اس میں شک ہے تو قطعی کافر ہے اور پھر انشاء اللہ کہنا بیکار ہے امام ابو حنیفہ نے اس عام غلطی کو مٹانا چاہا قتادہ سے پوچھا آپ نے یہ قید کیوں لگائی انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ مجکو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دے - امام ابو حنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ آولم تومن تو انہوں نے جواب میں "بلیٰ" کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں آپ نے حضرت ابراہیم کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی - قتادہ ناراض ہو کر اٹھے اور گھر میں چلے گئے -

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور منصور عباسی کے دربار میں بڑا جاہ و اعتبار رکھتے تھے تاہم کوفہ میں ان کا وہ اثر قائم نہ ہو سکتا تھا جو امام ابو حنیفہ صاحب کا تھا - اس پر ان کو تعجب ہوتا تھا اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ "کوفہ والے بھی عجیب سادہ دل ہیں تمام شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے" امام ابو حنیفہ نے ابو یوسف وغیرہ اور چند شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں - امام ابو یوسف نے تقریر شروع کی مسئلہ یہ تھا کہ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں قاضی یحییٰ نے کہا "نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث میں آیا ہے - لا ضرر ولا ضرار یعنی وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہیں - صورت زیر بحث میں چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہے اس لیئے شریک اول ایسے فعل کا مجاز نہیں ہو سکتا" امام ابو یوسف نے کہا "اگر دوسرا شریک آزاد کرے ؟ قاضی یحییٰ بولے تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائیگا - امام ابو یوسف نے کہا "آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کی - کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنی اسی طرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکور میں جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپکے نزدیک اسکا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنی وہ اسی طرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا اب صرف دوسرے

شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے ؟

قاضی ابن ابی لیلیٰ کے ایک فیصلہ پر نکتہ چینی

محمد بن عبد الرحمن جو زیادہ تر ابن ابی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہیں بڑے مشہور فقیہ اور صاحب الرائے تھے ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے - امام ابو حنیفہ اور ان میں کسی قدر شکر رنجی تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اسکی اصلاح کرنی چاہتے تھے یہ انکو ناگوار معلوم ہوتا تھا لیکن امام صاحب اظہار حق پر مجبور تھے قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے ایک دن کام سے فارغ ہوکر مجلس قضا سے اٹھے راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے جھگڑے ہو گئے اثنائے گفتگو میں عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیتین کہدیا یعنی اے زانی اور زانیہ کے بیٹے قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کر لیجائے - پھر مجلس قضا میں واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کرکے درے لگائیں اور دو حد ماریں امام ابو حنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی - فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں مجلس قضا سے اٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا - یہ آئین عدالت کے خلاف ہے مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے - عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیئے قاضی صاحب نے اسکے خلاف کیا ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ زخم بالکل بھر جائیں پھر دوسری حد کی تعمیل ہو سکتی ہے جسکو گالی دیگئی اس نے جب دعویٰ نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنیکا کیا اختیار تھا " قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ سے جاکر شکایت کی کہ ابو حنیفہ نے مجھکو تنگ کر رکھا ہے گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابو حنیفہ فتوے نہ دینے پائیں امام صاحب

دیانت

اگرچہ حق کے خلاف کسی حاکم اور امیر کے حکم کی پروا نہیں کرتے تھے تاہم چونکہ فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا اور کوفہ میں اور بہت سے علما موجود تھے اس لیئے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم رکھا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی ایک دن گھر میں بیٹھے تھے ان کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ میں آج روزے سے ہوں دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اتر گیا روزہ جاتا رہا یا باقی رہا " امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر اپنے بھائی حماد سے پوچھ میں فتوے دینے سے منع کر دیا گیا ہوں " مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ اطاعت حکم اور دیانت کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہو سکتی ہے[۵۱] " چند روز کے بعد گورنر کوفہ کو اتفاق سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئیں اور امام ابو حنیفہ کیطرف رجوع کرنا پڑا جسکی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتویٰ دینے کی عام اجازت حاصل ہو گئی -

امام صاحب کے مناظرات میں کہیں کہیں ہم اس ادعا اور جوش مقابلہ کا اثر پاتے ہیں جو بظاہر ان کی تواضع اور بے نفسی کے خلاف ہے لیکن یہ انسانی جذبات ہیں جن سے کوئی شخص بری نہیں ہو سکتا - ہم نے امام شافعی - امام مالک - امام بخاری - امام مسلم اور بڑے بڑے ائمہ کے مناظرات کتابوں میں پڑھے ہیں - ان میں اس سے زیادہ ادعا اور

---

۵۱ ابن خلکان ترجمہ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ۱۲ ۵۲ اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد میں اور حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲

جو حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں بزرگوں کے حالات میں مذکور نہ ہوتیں تو ہم کو شبہہ ہوتا کہ تذکرہ نویسوں نے ان بزرگوں کی اصلی تصویر نہیں دکھائی ہے بلکہ اپنی خوش اعتقادیوں کا خاکہ کھینچا ہے ایک حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ کسی نامور یا مقتدا کے حالات لکھو تو اس کے وہ خصائل بھی ضرور دکھاؤ جن میں انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہے اس سے لوگوں کو اچھے کاموں میں انکی تقلید کی خواہش پیدا ہوگی بخلاف اسکے اگر بالکل فرشتہ بنا کر پیش کر دیگے تو لوگ شاید ان کی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن انکی ریس کرنے کا خیال ہرگز پیدا نہ ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ شخص انسانی دائرہ سے باہر تھا ہم انسان ہوکر کیونکر اس کی تقلید کرسکتے ہیں۔

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ۔ امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ مجتمع تھے دفعۃً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا اس نے گھبرا کر پھینک دیا وہ دوسرے شخص پر جا گرا اس نے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ غرض یونہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹا اور وہ مرگیا دیت کس پر لازم آئیگی؟ یہ فقہ کا ایک پیچیدہ مسئلہ تھا سب کو تامل ہوا کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی۔ بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہوگا۔ سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا امام ابوحنیفہ چپ تھے اور مسکرا رہے تھے۔ آخر سب نے انکی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہوچکا۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے اس کی دو حالتیں ہیں اگر اسکے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اس کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئیگی اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا اب اگر سانپ نے اس کو کاٹا تو اس کی خود غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور پیش دستی کیوں نہ کی۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام کی جودت طبع کی تعریف کی۔

رائے و تدبیر عقل و فراست۔ ذہانت و طباعی امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابوحنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابوحنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ بن مصعب کہا کرتے تھے کہ میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جن میں عاقل صرف تین چار شخص دیکھے ایک ان میں ابوحنیفہ تھے۔ ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علما کے وہ اوصاف جن کا تعلق [illegible] تیزی ذہن۔ قوت حافظہ۔ بیداری [illegible] اس قسم کے اوصاف [illegible] لیکن

عقل ورائے ۔ فراست وتدبیر کا ذکر تک نہیں آتا گویا یہ باتیں دنیا داروں کے ساتھ مخصوص ہیں اسی بات
علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ علماء کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں
رکھتا اور یہ بالکل سچ ہے حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے اسلام بخلاف
اور مذہبوں کے دین کے ساتھ دنیاوی انتظامات کا بھی مقنن ہے خلفائے اولین کے حالات پڑھو سیاست
اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص ان کا ہمسر کہا جا سکتا ہے بہر
اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ تمام فرقۂ علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں
کے بھی اندازہ دان تھے یہی بات ہے کہ ان کا مذہب سلطنت وحکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے
اسلام میں سلطنت وحکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے ۔ مذہباً اکثر حنفی ہی تھے ۔

امام ابوحنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ ان کے جو تعلقات تھے
وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جس کے فرائض کو انھوں نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو
ایک مدبر سلطنت کے شایان تھا ۔ وہ اپنے ہمعصروں کی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ زندگی کی
ضروریات میں امیروں اور رئیسوں کی فیاضیوں کا منہ تکتے رہیں ۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہیں ہوئے اور
شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم کی ہم نے اُن کے شاگردوں کی مفصل فہرست لکھی ہے ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں
جو حلقہ درس سے اٹھکر ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت دیانت اور قابلیت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا
قاضی ابو یوسف صاحب جو ہارون رشید کے عہد میں صیغہ قضا کے وزیر تھے اور جن کی حسن تدبیر وانتظام نے
اس صیغہ کو اسقدر وسیع ۔ باقاعدہ مرتب کر دیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا ۔ اور زمانہ مابعد میں بھی اس سے
بڑھکر نہ ہو سکا ۔ یہ امام ابوحنیفہ کی ہی صحبت کا فیض تھا ۔ یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق
کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے لیکن امام صاحب اس سے بیخبر نہ تھے ۔ وہ شاگردوں کو ہمیشہ ایسی
ہدایتیں کرتے تھے جن کی پابندی سے دنیا ودین دونوں حاصل ہوں جو اس آیت کی تفسیر ہے اٰتنا فی الدنیا
حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ قاضی ابو یوسف کو امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت ان میں پیدا کر دی تھی
اسکے جوہر صاف نظر آتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے ان کو کچھ ہدایتیں لکھکر دیں ۔ جو تمام مہمات دینی
ودنیوی کے لیئے دستور العمل تھیں ۔ یہ تحریر کتابوں میں منقول ہے ۔ افسوس ہے کہ تطویل کے لحاظ سے ہم سلکو تمام
نہیں نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اس کا انتخاب دکھانا ضرور ہے ۔

اس تحریر میں پہلے سلاطین وقت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس بہت کم
آمد ورفت رکھنا جس سے ہر وقت اس طرح پُرخطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے جب تک کوئی

قاضی ابو یوسف کیلئے [illegible] ہدایتنامہ [illegible] تعلقات

خاص ضرورت نہ ہو دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز و وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہوں جن سے تم کو واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیوں کہ جب اُن کا رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو میں اُن سے جو برتاؤ کیا جائے اُن کی شان کے مناسب نہ ہو وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تم نے اسکا لحاظ نہیں کیا تو بے تمیزی سمجھی جائیگی۔ اگر معمولی آدمی ہیں اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ میں تمہاری ذلت ہوگی۔ بادشاہ اگر تمکو عہدہ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں ایسا نہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے جس عہدہ اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اسکو ہرگز نہ قبول کرنا" ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اس کی غلطی کا اظہار کرنا کہ اور لوگوں کو اس کی تقلید کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پروا نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و حکومت رکھتا ہے کیونکہ اظہار حق میں خدا تمہارا مددگار ہوگا اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ و حامی ہے خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہدینا کہ گو میں عہدہ و خدمت کے لحاظ سے آپ کا مطیع ہوں تاہم آپ کو آپ کی غلطی پر مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ ملنے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپکا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اُسکے شر سے تمکو محفوظ رکھے

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت ہو چکے تو جائز ذریعوں سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت میں علم و دولت دونوں کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اس وقت جب یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ داریاں اٹھا سکو گے۔ ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیوں خصوصاً اہل حکومت سے کم میل جول رکھنا ورنہ اُن کو گمان ہوگا کہ تم اُن سے کچھ توقع رکھتے ہو اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہونگے۔ بازار میں جانا۔ دوکانوں پر بیٹھنا راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھا لینی۔ سقایات یا سقاؤں کے ہاتھ سے پانی پی لینا ان باتوں سے نہایت احتراز رہے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہیئے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں۔ عام اور معمولی رتبہ کے لوگ مناظرہ کرنا چاہیں تو احتراز کرو کسی شہر میں جانا ہو تو وہاں کے علماء و فضلا سے اس طرح ملو کہ ان کو رقابت کا خیال نہ ہو علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھکر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکتے ہو مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو۔ ورنہ دل میں خود اپنی خفت ہوگا تو خیالات مجتمع نہ ہو سکیں گے اور زبان میں لغزش ہوگی جو لوگ آداب مناظرہ

لہ اشباہ والنظائر کے اخیر میں یہ وصیت نامہ مذکور ہے اور [illegible]

سے واقف نہیں یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں ان سے ہرگز گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ مناظرہ کے وقت غصہ کرنا
چاہیئے ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے دل افسردہ ہوتا ہے جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو کوئی
شخص جب تک سامنے سے نہ پکارے کبھی جواب نہ دو۔ کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانوروں کیلئے مخصوص ہے رستہ چلو
تو دائیں بائیں نہ دیکھو حمام میں جاؤ تو عام آدمیوں کی نسبت زیادہ اجرت دو۔ صبح اور دوپہر کے وقت حمام میں نہ جاؤ گفتگو
میں سختی نہ ہو اور آواز بلند نہ ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو بھیج کر منگوالو۔ خانگی کاروبار دیانت
دار نوکروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہیئے کہ تم کو اپنے مشاغل کے لیے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے۔ بادشاہ
کے قریب سکونت نہ اختیار کرو۔ ہر بات سے بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو اور فقر کی حالت میں بھی وہی
استغنا قائم رہے۔ عام آدمیوں میں بیٹھ کر وعظ نہ کہو کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے
شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اس کی درسگاہ میں شریک ہو کہ اس کے متعلق رائے
قائم کر سکو۔ وہ اگر غلطی کر جائے تو بتا دو ورنہ تمہارے چپ بیٹھنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اس نے جو کہا صحیح کہا
فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نہ جاؤ بلکہ اپنے معتمد دوستوں یا شاگردوں کو بھیج دو کہ وہ آکر تم سے
پورے حالات بیان کریں۔ ہر بات میں تقویٰ اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو جو
لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لیے تیار ہو جاؤ ہر مہینے میں دو چار دن
روزہ کیلئے مقرر کر لو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہ ہونے پائے دنیا پر بہت
نہ مائل ہو اکثر قبرستان میں نکل جایا کرو۔ لہو ولعب سے پرہیز رکھو ہمسایہ کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو اہل بدع
سے بچتے رہو۔ نماز میں جب تک تم کو لوگ خود امام نہ بنائیں امام نہ بنو جو لوگ تم سے ملنے آئیں ان کے سامنے علمی
تذکرہ کرو اگر وہ اہل علم ہونگے تو فائدہ اٹھائیں گے۔ ورنہ کم از کم ان کو تم سے محبت پیدا ہوگی۔"

عبدالعزیز بن رواد کو خلیفہ نے دربار میں بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے مشورہ کے لئے ان کے پاس
آئے اور کہا کہ خلیفہ نے طلب کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے سامنے وعظ کہوں۔ مگر کیا کہوں اور کس طریقے
کہوں اس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا یہ کہنا کہ امیر المومنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں عزت اکمال سب
آپکو حاصل ہیں۔ اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں دولتیں حاصل ہوں۔

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو علم نے
بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اس سے زیادہ زیان کار کون ہوگا۔" جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور
اس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی باز پرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا۔" اگر علماء

خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں" جو شخص قبل از وقت ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے" "جو شخص علم کو دنیا کے لیئے سیکھتا ہے علم اس کے دل میں جگہ نہیں پکڑتا" سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔ پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند اور بدترین معاصی سے محترز رہے اس کی مغفرت کی بہرحال امید کی جا سکتی ہے" "جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جس کے پاس دوائیں ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لیئے ہے" جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا اس کے آگے علمی گفتگو کرنی اس کو اذیت دینی ہے" "اپنے دوست (نفس) کے لیئے جمع کرنے اور دشمن (ورثا) کے لیئے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے"

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی" اس نے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو، ارشاد ہوا کہ تعلقات کم کئے جائیں، پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں، جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لیلے اور غیر ضروری چھوڑ دے"

ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائیوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں فرمایا کہ قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجھ کو ان کا ڈر لگا رہتا ہے۔ ان واقعات کو خدا مجھ سے نہ پوچھے گا۔ اس لیئے اس پر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں" اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے تھے خود ان کا قول ہے کہ حضرت علی کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اس پر بحثوں کا ایک دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا امام صاحب نے فرمایا "علم میں سعی سفارش کا کام نہیں۔ علماء کا خود فرض ہے کہ ان کو جو کچھ آتا ہو تو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں"

ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے الگ کیوں رہتے ہیں۔ فرمایا "روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے ملا جائے تو اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اٹھانی پڑے" اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو

سہ تا جامہ اگر کہنہ است یا خود نو

بجا رگوشۂ دیوار خود بخاطر جمع
کہ کس نگو یدازین جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزوں تر بہ نزد ابن یمین
ز فر مملکت کیقباد کے خسرو

امام صاحب کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن تشبیب وغزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر چنانچہ فرماتے ہیں۔

امام صاحب کے اشعار

ومن المروۃ للفتیٰ
ما عاش دار فاخرۃ
فاشکر اذا اوتیتھا
واعمل لدار الاٰخرۃ

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لیئے اُس کو اچھا مکان چاہیئے ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے۔ اور عاقبت کے مکان کے لیئے کوشش کرنی چاہیئے۔

ذہانت و طباعی

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے۔ یہاں تک کہ ان کا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ان کا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے تاہم اس فقرے کو نہ چھوڑ سکے۔ کہ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی "اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گزرے ہیں۔ امام ابوحنیفہ ان میں شمار کیئے جاتے ہیں"۔ مشکل سے مشکل مسئلوں میں ان کا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے، اکثر موقعوں پر اُن کے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے ان کے ہمسر تھے، موجود ہوتے تھے۔ اُن کو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جو واقعہ در پیش ہوتا تھا اس سے مطابق کرکے فوراً جواب دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولے گی میں تجھ سے کبھی نہ بولونگا۔ عورت تند مزاج تھی اُس نے بھی قسم کھالی اور وہی الفاظ دوہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اس وقت تو غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس سے چارہ

نہیں، وہ مایوس ہوکر اُٹھا اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ للہ آپ کوئی
تدبیر بتائیے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو کسی پر کفارہ نہیں ہے۔
امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے، اور امام ابو حنیفہ سے جاکر کہا کہ آپ
لوگوں کو غلط مسئلے بتادیا کرتے ہیں۔ امام صاحب نے اس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ
واقعہ کی صورت بیان کرجاؤ۔ اس نے اعادہ کیا امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے
اور کہا میں نے جو پہلے کہا تھا اب بھی کہتا ہوں۔ سفیان نے کہا کیوں؟ فرمایا جب عورت نے
شوہر کو مخاطب کرکے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی۔ پھر قسم کہاں باقی
رہی"، سفیان نے کہا حقیقت میں آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے ہم لوگوں کا وہاں
تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ دو بیٹوں کی شادی کی۔ ولیمہ کی دعوت
میں شہر کے تمام اعیان واکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام، حسن بن صالح، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ شریک
دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دفعۃً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا۔ اور کہا غضب ہو گیا
لوگوں نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں
جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اس کا شوہر نہ تھا۔ اب کیا کیا جائے، سفیان نے کہا امیر
معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ دونوں کو
مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام امام ابو حنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے امام صاحب
نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دوں۔ لوگ جاکر بلا لائے، امام صاحب نے دونوں سے
الگ الگ پوچھا کہ رات کو جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے۔
دونوں نے کہا ہاں"، امام صاحب نے کہا کہ تو اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق
دیدو اور ہر شخص اس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اس کے ساتھ ہم بستر رہ چکی"، سفیان نے
جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا۔ کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہ کی ہے جس
سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا وہ جانتے تھے کہ موجودہ
صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت وحمیت کے خلاف ہوگا کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم
بھی کرلیا تو دونوں میں وہ خلوص واتحاد پیدا نہ ہوگا۔ جو تزویج کا مقصود اصلی ہے۔ اسکے ساتھ مہر کی بھی

ملہ اس واقعے کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے ۱۲۔

تخفیف ہے کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیجائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہ کا ذکر اکثر سنا کرتا تھا اور ان کے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا۔ دیکھا تو بڑا ہجوم ہے ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑھ کر کہا "یا ابا حنیفہ (یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان کو پہچانا) امام ابوحنیفہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اس نے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دیدیتا ہے لونڈی خریدتا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے فرمایئے کیا تدبیر کروں" امام ابوحنیفہ نے برجستہ کہا کہ "تم اس کو ساتھ لیکر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ اور جو لونڈی پسند آئے خرید کر اسکا نکاح پڑھا دو۔ اب اگر وہ آزاد کریگا تو نہیں کر سکتا کیونکہ لونڈی اس کی ملک نہیں طلاق دیگا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی" لیث کہتے ہیں کہ مجھکو جواب پر تو کم لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔ ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا۔ امام ابوحنیفہ سے عداوت رکھتا تھا ایک دن امام صاحب حسب الطلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا منصور سے کہا کہ "حضور! یہ شخص امیر المومنین کے جد بزرگوار (عبداللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جائیگا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا ابوحنیفہ اس کے خلاف فتوے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزو قسم سمجھا جائیگا ورنہ لغو اور بے اثر ہے" امام صاحب نے کہا امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپکی بیعت کا کچھ اثر نہیں منصور نے کہا کیونکر؟ امام صاحب نے کہا۔ انکا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں گھر پر جا کر انشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں جس سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے اور ان پر شرعاً کچھ مواخذہ نہیں رہتا۔ منصور ہنس پڑا۔ اور ربیع سے کہا کہ "تم ابوحنیفہ کو نہ چھیڑو۔ ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا" امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا۔ آج تو آپ میری جان ہی لے چکے تھے۔ فرمایا "یہ تو تمہارا ارادہ تھا میں نے صرف مدافعت کی"

ایک دفعہ بہت سے خارجی امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے کہا کہ "میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں" خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو میں اس سے توبہ کرتا ہوں لیکن خارجیوں سے جا لگایا کہ ابوحنیفہ نے تم لوگوں کو دھوکا دیا ان کا مطلب اور تھا۔ خارجیوں نے امام صاحب کو آ پکڑا کہ تم نے تاویل کیوں کی۔ امام نے کہا تم کو یقین ہے یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ بولے کہ نہیں۔ گمان ہی گمان ہے" امام نے کہا تو تم کو خود توبہ کرنی چاہئے کیونکہ خدا فرماتا ہے ان بعض الظن اثم

ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا مجمع تھا۔ دفعتہً خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ چلے امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا تم کون لوگ ہو امام صاحب نے فرمایا "مستجیر ہیں اور خدا نے فرمایا ہے کہ وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ چاہے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے پھر اسکو اسکے امن تک پہنچا دو" خارجی اپنے سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں اور واجب القتل جانتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اسی نیت سے آئے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر انکو قتل کر دیں۔ لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے انکو بالکل مجبور کر دیا چنانچہ انکے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ "انکو قرآن پڑھکر سناؤ اور انکے گھر انکو پہنچا آؤ" ابو العباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا امام صاحب کا دشمن تھا۔ اور ہمیشہ انکو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا ایکدن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے۔ اتفاق سے ابو العباس بھی حاضر تھا لوگوں سے کہا آج ابوحنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جاسکتے۔ امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ ابوحنیفہ امیر المومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلاکر حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن مار دو ہمکو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہیں ایسی حالت میں ہم کو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے یا انکار کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے کہا "تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل" منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کرسکتا۔ ابو العباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ تھوڑی دیر بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے۔ پھر کہا کہ اگر آج میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کروں تو اسکو طلاق ہے" لوگوں نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا امام صاحب نے فرمایا کہ نماز عصر کو پڑھکر بیوی سے ہم صحبت ہو اور غروب کے بعد غسل کرکے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت میں سب شرطیں پوری ہوگئیں۔ بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہیں کی غسل جنابت کیا تو اس وقت کیا کہ دن گذر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ "میں نے کچھ روپئے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دیئے تھے اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجھکو سخت ضرورت درپیش ہے کوئی تدبیر بتایئے۔ امام نے فرمایا بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ میں مذکور نہیں جسے کیا پوچھنے آئے ہو" اس نے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ آج ساری رات نماز پڑھو" اس نے جاکر نماز پڑھنی شروع کی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر بعد اسکو یاد آگیا کہ روپئے فلاں جگہ

رکھتے تھے دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپکی تدبیر راست آئی - فرمایا کہ "ہاں شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو اس لیئے اس نے جلد یاد دلا دیا تاہم تم کو مناسب تھا کہ اسکے شکر میں شب بیداری کرتے اور نمازیں پڑھتے -

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ "میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا اب یاد نہیں آتا کہ کہاں گاڑا تھا - کیا کروں"، امام صاحب نے کہا "تمکو یاد نہیں تو مجھکو اور بھی یاد نہ ہونا چاہیئے"، وہ رونے لگا امام صاحب کو رحم آیا چند شاگرد ساتھ لیئے اور اسکے گھر پر گئے - شاگردوں سے کہا کہ "یہ اگر تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کیلیئے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے"، سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتلائے امام صاحب نے فرمایا کہ ان میں تین چار جگہوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا - انکے کھدوانے کا حکم دیا خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا - امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ متین - باوقار تھے تاہم ذہانت کی شوخیاں کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں - ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے حجام سے کہا کہ "سفید بالوں کو چن لینا"، اس نے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں - امام صاحب نے کہا "تو یہ قاعدہ ہی تو سیاہ بالوں کو چن لو کہ اور زیادہ نکلیں"، قاضی شریک نے یہ حکایت سنی تو کہا کہ "ابو حنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہ چھوڑا"، امام صاحب کے محلہ میں ایک کمہار رہتا تھا جو نہایت متعصب شیعہ تھا اسکے پاس دو خچر تھے تعصب سے ایک کا ابوبکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا - اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اسکا سر پھٹ گیا اور اسی صدمہ سے مر گیا محلہ میں اس کا چرچا ہوا - امام صاحب نے سنا تو کہا "دیکھنا! اسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اس نے عمر رکھا تھا" لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا -

کوفہ میں ایک غالی شیعی تھا جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ "یہودی تھے"، امام صاحب ایکدن اسکے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈھتے تھے ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے دولتمند بھی ہے - اسکے ساتھ پرہیزگار قائم اللیل حافظ قرآن ہے"، شیعی نے کہا تو اس سے بڑھکر کون ملیگا آپ ضرور شادی ٹھہرا دیجئے - امام صاحب نے کہا "صرف اتنی بات ہے کہ مذہباً یہودی ہے"، وہ نہایت برہم ہوا اور کہا سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں" امام صاحب نے فرمایا "کیا ہوا پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تم کو کیا عذر ہے"، خدا کی قدرت اتنی سی بات سے اسکو تنبیہ ہو گئی اور اپنے عقیدے سے توبہ کی -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں انکے یہ نام ہیں۔ فقہ اکبر العالم والمتعلم مسند فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہیں جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے یہ رسالہ چھپ گیا ہی اور ہر جگہ مل سکتا ہے۔ لوگوں نے اسپر شرحیں بھی لکھی ہیں مثلاً محی الدین محمد بہاؤ الدین المتوفی ۹۵۳ھ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی مولی احمد بن محمد المغنیساوی حکیم اسحٰق شیخ اکمل الدین ملا علی القاری ملا علی قاری کی شرح متداول ہی بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جا بجا قلمی پائے جاتے ہیں حکیم اسحٰق کی شرح کو ابو البقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں۔

العالم والمتعلم۔ سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں انکی کوئی کتاب نہیں ہی۔ اسپر مجکو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ اُن تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علما نے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جنکی تفصیل حسب ذیل ہی (۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ (۲) مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسے بن عیسیٰ (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصفہانی (۵) مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی (۸) مسند ابو بکر احمد بن محمد خالد الکلاعی۔ (۹) مسند امام ابو یوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابو حنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن العوام السعدی۔ ابو المؤید الخوارزمی نے جن مسندوں کے نام لیے ہیں انکے سوا اور بھی

مسانید ہیں مثلاً مسند حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ مسند حصکفی جس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی۔ مسند ماوردی مسند ابن البزازی المتوفی ۸۲۷ھ ان مسندوں کی شرحیں بھی لکھی گئیں

جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہیں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا جس کے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جابجا ملتے ہیں۔ لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا اس زمانہ کی ہزاروں تصنیفات کے نام تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں چلتا۔ خود امام صاحب کے ہمعصروں میں سے سفیان ثوری امام اوزاعی حماد بن سلمہ ہیثم معمر جریر بن عبدالحمید عبداللہ بن المبارک نے حدیث و فقہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج انکا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں کو جمع کیا ہے۔ وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد۔ قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہیں اور انکا مسند بے شبہ امام ابو حنیفہ کا مسند کہا جا سکتا ہے لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اسکا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو وہ پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے انکو بلند نام کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جنکا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے جنکو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جنکو ان نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے انکو قصداً حدیث نبوی بنا دیا یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفا ابن حبان کامل ابن عدی تصنیفات خطیب ابو نعیم و جوزقانی۔ و ابن عساکر و ابن نجار و دیلمی میں مل سکتی ہیں۔ مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی بات اتنی کی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے اُنکا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن اُنکی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھکر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں مسند حصفکی میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں جنکو اُنھوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے بے شبہہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اسلیئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اُسکو امام صاحب کا مسند کہیں۔ یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔

فقہ اکبر

فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی۔ عبد العلی بحر العلوم۔ و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اُسپر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کیجاتی ہے اُسوقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور اُس اختصار و ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اُس میں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اُس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بے شبہہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں۔ لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں اُنکا رواج ہو جا فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اُسوقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جز بنگئے اور عام بول چال میں بھی اُنکے استعمال کے بغیر چارہ نرہا۔ لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔ یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہانتک ہمکو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جنمیں سے اکثر بجائے خود استاد تھے اور بواسطہ اُنکے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اُسکا نام تک نہ لیا جاتا علم عقائد اور اُسکے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً

صحائف شرح مقاصد شرح مواقف ملل ونحل وغیرہ تصنیف ہوئیں انہیں کہیں اسکا ذکر تک نہیں ہے اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی میں یا اُسکے بعد ہوئیں اسکے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں کتب رجال میں انکی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک کئے ہیں اگرچہ میں اُنکو کافیہ تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جسکا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلمبند کئے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ابو مطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے کہ صاحب الفقہ الاکبر جسکے متبادر معنی یہی ہیں کہ ابو مطیع اُسکے مصنف ہیں میرا خیال یہ بھی ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب عبارت۔ ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے اور یہ کچھ نئی بات نہیں جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اُسکی موجودہ ترتیب امام ابو الطاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے۔ صرف ترتیب بدل دی گئی ہے برخلاف اسکے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

ہمنے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھدئیے ہیں ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں اُنکے سامنے ہیں وہ جو چاہیں خود فیصلہ کر لیں بے شبہہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

عقائد و کلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل میں علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے صحابہ کے اخیر زمانہ میں نئے نئے فرقے پیدا ہو چلے تھے معبد جہنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا۔ مسئلہ قدر کو چھیڑا۔ واصل بن عطا نے جو علوم عربیہ و علم و کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا اعتزال کی بنیاد قائم کی۔

جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا۔ خوارج کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہو چکے تھے امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں ان مسائل کے جا بجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا۔ امام صاحب کو بھی ان کی رد و قدح کی طرف التفات ہوا کہ اس میں شک نہیں کہ انکی بے نظیر ذہانت سے ان مسائل میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوئیں لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مہمات میں مصروف ہوئے اسلئے ان بحثوں کا آج پتہ نہیں چلتا۔ تاہم چند مسائل جو بتواتر اُن کی طرف منسوب ہیں اُن کی وقت نظر جدت ذہن وسعت خیال کے شاہد عادل ہیں اُن میں سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک بڑے معرکۃ الآرا مسئلے

اعمال جزو ایمان نہیں ہیں

ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے۔ آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے فرائض اور اعمال جوارح کے کام ہیں اسلیئے نہ اُن دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے نہ انمیں سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اسکے خلاف تھے۔

صحابہ کے زمانہ تک سادی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا۔ بنو امیہ کے وسط زمانہ میں جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشتغال پیدا کر دیئے۔ جبر و قدر، تشبیہ و تنزیہ، عدل و جور کی بحثیں چھڑ گئیں ان بحثوں کی ابتدا اُن لوگوں نے کی جو عجم کی خاک سے تھے یا اُن پر عجم کا پرتو پڑا تھا۔ چونکہ یہ نامانوس صدائیں تھیں ان باتوں پر مذہبی گروہ میں جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا برہمی پیدا ہو گئی اور محدثین و فقہاء نہایت سختی سے بدعتیوں کے مقابلہ کو اُٹھے اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگوں کو خود بھی ان مسائل میں نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ لیکن جوش مخالفت نے اکثروں کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا۔ لوگوں نے اسکی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے تلفظ بالقرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا۔ امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے۔ اور صحیح بخاری میں انکی سند سے اکثر روایتیں ہیں۔ اسی بات پر امام بخاری سے لیسے ناراض ہوئے کہ اُنکو حلقہ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ میں نہ آنے پائے[۱] امام بخاری خود قرآن کے قدم کے قائل تھے لیکن قرارت قرآن کو حادث کہتے تھے۔ ذہلی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ امام ابو حنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا اور جو عقل کیساتھ نقل کے بھی مطابق تھا انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا بھی مسئلہ تھا۔ مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا۔ تو وہ مواخذہ سے بری ہے اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا۔ مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کلیۃً اس مذہب کے مخالف ہو گئے۔ چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اسکے مؤید تھیں اُنکی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہو گئی یہ ایک اجتہاد رائے تھا اور یہیں تک رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص اُنکی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اُسکو فاسق یا کافر سمجھنے تھے قاضی ابو یوسف ایک بار شریک کی عدالت میں گواہ ہو کر گئے تو اُنھوں نے کہا "میں اُس شخص کی شہادت نہیں قبول کرتا جس کا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں۔"

[۱] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل کیساتھ لکھا ہے ۱۲

ایمان اور عمل جدا گانہ چیزیں ہیں

امام ابوحنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کا ہے وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو پہنچتے تھے جب یہ بحث اُنکے سامنے پیش کی گئی تو اُنھوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اسپر بہت سے لوگوں نے اُنھیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے محدثین اور فقہا میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے اُنکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہا اور محدثین کے نام گنائے ہیں جنمیں چند یہ ہیں ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرۃ طلق الحبیب۔ حماد بن سلیمان عبدالعزیز بن ابی داؤد۔ خارجہ بن مصعب عمرو بن قیس الاصر۔ ابومعاویہ الضریر یحیٰی بن زکریا مسعر بن کدام۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین جو اسپر غل مچاتے ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید انکو ندامت ہوتی محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجاء (مرجیہ ہونا) بہت سے علمار کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نکرنا چاہیئے یہ اُسی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب تھا۔

جو لوگ مرجیہ کہلاتے

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چنداں مہتم بالشان نہ تھا لیکن اُسکے نتائج بہت بڑا اثر رکھتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اسکا اظہار کیا۔ عمل کو جزو ایمان قرار دینا۔ اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اسوجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا، حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو نہ رہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نہ رہا۔ اسی لیئے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی مجازاً اصل شئے کا اطلاق ہوتا ہے اسلیئے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شئے فوت نہیں ہوتی۔

لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے اور خود امام رازی کو اسکا اعتراف کرنا پڑا! چنانچہ جواب کے

بعد فرماتے ہیں فیہ عراک هذا المذهب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوجاتا ہے امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں اُن کو تسلیم کرنا پڑا کہ یا عمل کو ایمان کے تو لیے سے شمار کرنا چاہیئے یا مان لینا چاہیئے کہ جو شخص پابند عمل نہیں مومن بھی نہیں -

اس بحث کے متعلق امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جس کی طرز استدلال و استنباط شایع سے امام صاحب کی دقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اس لیے اس موقع ہم اُس کا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو انہوں نے امام صاحب کو لکھا تھا عثمان اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے عام لوگوں میں جب امام ابوحنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انھوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہیں مجھکو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے کیا یہ باتیں صحیح ہیں" اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جس کے فقرے کہیں کہیں سے ہم انتخاب کرتے ہیں حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کی دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے میں آپکو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے - رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اُس کو تسلیم کریں - پس جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اُس کی جان اور مال حرام ہوجاتا تھا پھر خاص اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاچکے تھے فرائض کے احکام آئے پس اُسکا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا نے اُسی کی طرف اشارہ کیا ہے الذین آمنوا وعملوا الصلحت ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحا - اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہ ہونے سے ایمان جاتا نہیں رہتا - البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا عمل و تصدیق کا دو جداگانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے شرع لکم ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصی بہ ابراھیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ" یعنے تمہارے لیئے اسی دین کو مشروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی اور جو تجھ پر وحی بھیجی اور جس کی وصیت ابراہیم و موسے و عیسے کو کی وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اُس میں متفرق نہ ہو -

آپ کو جاننا چاہیئے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے خود خدا نے قرآن میں یہ اطلاقات کیئے ہیں کیا آپ اُس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے میں

گمراہ ہو اس شخص کی برابر قرار دیں گے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو خدا نے یہاں فرائض بتلائے ہیں اس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا (یعنے خدا نے اس لیئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو) دوسری آیت میں ہے ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ (یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسری یاد دلادے) حضرت موسےٰ کی زبان سے فرمایا فعلتھا اذا وانا من الضالین (یعنے جب میں نے وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا) ان آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعوی کے ثبوت کے لیئے دلائل قاطعہ ہیں اور حدیثیں تو اور بھی واضح اور صاف ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اس کے یہ معنی تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علیؓ نے شام والوں کو جو ان سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے کیا آپ قاتلین اور مقتولین دونوں کو برسر حق قرار دیتے ہیں اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علیؓ اور طرفداران علیؓ) برسر حق تسلیم کریں گے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اس کو خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے۔ میرا یہ قول ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے خدا کو اختیار ہے اس پر عذاب کرے یا معاف کردے۔

امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعوی کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہوگی کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور فرائض کا وجود نہ تھا امام صاحب نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں ان سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ دونوں چیزیں جدا ہیں کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جزو و کل پر معطوف نہیں ہو سکتا من یومن باللہ و یعمل صالحاً میں حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی اثبات مدعا کے لیئے کافی نہیں بڑا استدلال اس پر ہے کہ مومن مومن ہو کر زنا اور چوری نہیں کرتا ۔ حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہو کر تو ایسا کام نہیں کر سکتا جس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے بے شبہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہیں اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابوذر کی حدیث میں صراحتہً یہ الفاظ موجود ہیں کہ جو شخص لاالہ الا اللہ کا قائل ہے جنت میں جائیگا گو زانی اور چور ہو۔"

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان کم وبیش نہیں ہوسکتا بے شبہہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی۔ ایمان کی کمی وزیادتی دو لحاظ سے ہوسکتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے جس میں شدت وضعف ممکن ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مردوں کو کیونکر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا اولم تومن۔ یعنے کیا اب تجھ کو یقین نہیں آیا عرض کیا کہ یقین ضرور ہے لیکن لیطمئن قلبی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں۔ خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تصریح کردی ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے زادتہم ایمانا۔ اس مسئلہ میں نص صریح ہے لیکن امام ابوحنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اس وقت زیر بحث تھا۔ امام صاحب کے دعوے کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا۔ ان کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ کم ہوتا ہے جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے محدثین صراحتہً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں فاعلم ان الایمان یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ۔ یعنی "ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ سے گھٹ جاتا ہے" اور محدثین نے بھی جا بجا اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابوحنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی زیادت ونقصان کے منکر تھے انکے نزدیک جب اعمال جزو ایمان نہیں۔ تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ابوبکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو اُسکے دل میں ہے۔ غرض امام صاحب کا یہ دعوے نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت وضعف کے زیادہ وکم نہیں ہوسکتا بلکہ اُن کا یہ دعوی ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم وبیش نہیں ہوتا۔ یہ دعوے اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں اور اسکو ہم بھی ثابت کرچکے ہیں۔

متعلق ایمان میں سب برابر ہیں

امام صاحب اس بات کے بھی قائل تھے کہ متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ ایمان کے لیے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کے لیے یکساں ہیں صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید ونبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں فرق ہے تو اعتقاد کی شدت وضعف میں ہے اسی مطلب کو امام صاحب نے عثمان بتی کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اھل السماء والارض واحد یعنی آسمان اور زمین والوں کا ایک ہی دین ہے پھر اس دعوے پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصینا بہ نوحا یعنی ہم نے تمہارے لیے وہی دین

شروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی" مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ میرا ایمان اور ابوبکر صدیقؓ کا ایمان برابر ہے" اگرچہ امام صاحب کی طرف اس قول کی اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہیں اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیئے اور یہ سمجھے کہ امام صاحب کا یہ دعویٰ کیا ہے انکو یہ الفاظ نہایت گراں گذرتے ہیں کہ ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص رائیں رکھتے تھے لیکن وہ مخالف رایوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے۔ یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہے۔ اور قرون اولیٰ کے بعد اسلام میں اس کی بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔ اسلام کو اُن مشاجرات سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا جو اختلاف آرا کی بنا پر قائم ہو گئی ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی عبداللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا حضرت عائشہؓ نہایت اصرار سے اسکے مخالف تھیں" امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا حضرت عائشہؓ سماع موتیٰ کی قائل نہ تھیں لیکن اس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے اُن میں بھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہم کو کافر قرار دیتے ہیں وہ خود کافر ہیں یا نہیں" حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اس وقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے" صحابہ کے بعد یہ اختلافات زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے ہو گئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جن میں نص قاطع موجود نہیں۔ اور ہیں تو متعارض ہیں اس لئے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت سے اجتہاد کو بہت وسعت دی اور سیکڑوں رائیں قائم ہو گئیں بے شبہ ان میں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب باکفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں اختلاف رائے کے صدمے کی تاب نہ لا سکیں اور نہایت بے صبری سے مخالف پیدا ہو گئیں بات بات پر کفر کے فتوے دیئے گئے جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اسی قدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کیلئے مصنوع روایتیں [illegible] اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ [illegible]

[illegible] اس فرقے کی تعداد کو بھی پورا کر دیا [illegible]

امام ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھنا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا۔ افسوس ہے کہ ان کی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا ورنہ امام غزالی محی الدین عربی حضرت غوث الاعظم۔ ابن تیمیہ و ابوطالب مکی کو ہم فقہا کی زبان سے کافر نہ سنتے۔

حدیث اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں۔ بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایت دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اسی صفت کے ساتھ ہوئی جو انکا کمال غالب تھا۔ امام ابوحنیفہ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف نہیں تعجب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے نہ ان کی حدیثوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد حنبل ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نام آور ہیں ان کی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں مل سکتا لیکن جس قدر حدیث و روایت میں انکا زیادہ اعتبار ہے اسی قدر استنباط اور اجتہاد میں ان کی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں انکا شمار نہیں کیا قاضی ابن عبد البر نے کتاب الانتقا فی الثلاثۃ الفقہاء میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر اکتفا کی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت گروہ کثیر علماء کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے تاہم انکے اجتہاد پر اتفاق عام نہ ہوا۔

مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں محدث مواعظ قصص فضائل سیر ہر ایک قسم کی روایت کا استقصا کرتا ہے بخلاف اس کے مجتہد کو زیادہ تر صرف ان احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ محدثین کی بہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایت ہوئے موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں۔ امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں حسرت سے کہا کرتے تھے کہ اگر امام شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا۔ حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں جو امام شافعی کے حالات میں ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہاں امام شافعی کے شیوخ فی الحدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اہل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ یعنی وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے کیونکہ ان کو فقہ کا شغل رہتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ

---

[1] طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی ترجمہ علامہ طبری ۱۲ [2] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۵۱۔ ۱۲

کا جو سبب بیان کیا۔ امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس دائرہ کو زیادہ وسیع کیا۔ اور عموماً اُن کی قلت روایت کے قائل ہوئے۔ یہ خیال کچھ نیا نہیں ہے اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض لوگوں کی یہ رائے تھی اور وہی غلط فہمی آجتک چلی آتی ہے۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایاں ہیں اُن سے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کر سکتا ہے۔ حدیث میں اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں صحاح میں بجز ایک دو روایت کے اُن کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ سب سے زیادہ یہ کہ اُن کی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے ان کو کم تعلق تھا۔ اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص سیر وغیرہ میں اُن کی نظر چنداں وسیع نہ تھی امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے انکی تصنیف یا روایتوں کا مدون نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا حضرت ابوبکرؓ صدیق سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ کے اقوالؐ افعال سے جس قدر واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں اُن کی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں اُنکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں[1] کون شخص کہہ سکتا ہے کہ اُن کو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں حضرت ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ فاروق کا درجہ ہے۔ اُن سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں حضرت عثمانؓ اور جناب امیر کا بھی یہی حال ہے بخلاف اُن کے حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۴۶۔ انس سے ۲۲۸۶۔ عبدالرحمن بن عباس سے ۲۲۶۰۔ جابر سے ۲۵۴۰۔ عبداللہ بن عمر سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا اُن کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا یا دانستہ اُنکو رسول اللہ کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی۔ وحاشا عن ذالک۔ یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روایتیں مستثنےٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی شریک ہیں۔ امام شافعی نے جن کو بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد حنبل۔ اسحٰق بن راہویہ۔ ابو ثور حمیدی۔ ابو زرعہ الرازی ابو حاتم نے حدیث اور روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے اُن کی سند سے صحیحین میں ایک بھی موجود نہیں بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی امام رازی نے بخاری و مسلم کی اس

خلفائے اربعہ
کی قلت
روایت

بخاری و مسلم
نے امام شافعی
کے واسطہ
سے کوئی حدیث
روایت
نہیں کی

[1] مناقب الشافعی الامام الرازی خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے موافق لکھی ہے اور محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں تاہم اس قدر تعداد نہیں پہنچی جس پر کثرت روایت کا اطلاق کیا جائے ۱۲

بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے صحیحین پر موقوف نہیں ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن کے سلسلہ روات میں امام شافعی کا نام آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اجتہاد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا اس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لئے کم گنجائش تھی علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا کہ الایمان قول وعمل۔[51] اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو ان کے دربار میں پہنچنے کی کیونکر امید ہو سکتی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اس کے لحاظ سے امام رازی نے بھی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی۔ چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں۔ واما الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخہ الکبیر فقال باب محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی مات سنۃ اربع ومائتین ثم انہ ما ذکرہ فی باب الضعفاء مع علمہ بانہ کان قد روی شیئا کثیرا من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی ہذا الباب لذکرہ یعنی امام بخاری نے شافعی کا تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے سنہ ۲۰۴ھ میں وفات پائی لیکن ان کو ضعفا کے باب میں ذکر نہیں کیا حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور ان کو ضعیف کہتے۔ امام اوزاعی جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام میں ان کا وہی اعزاز و اعتبار تھا جو عرب و عراق میں امام مالک و شافعی کا ان کی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی۔ فرمایا کہ حدیث ضعیف ورائے ضعیف۔ لطف یہ کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں وہ دقت نظر، قوت استنباط، استخراج مسائل، تفریع احکام تھا لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب و نقص میں داخل ہیں علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری۔ قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے ان کی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ ان پر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے اور بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے۔[52] اگر تفریع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا اس باب میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے شہرت عام کے مقابلہ میں تحقیق کی پروا نہ کی۔

اس بحث کے تصفیہ کے لیے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیے کہ یہ لقب کب پیدا ہوا۔ اور کن لوگوں پر اطلاق کیا

جو شخص ایمان کی حقیقت میں عمل کو داخل نہیں سمجھتا امام بخاری اس سے روایت نہیں کرتے

---

[51] حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲

[52] مناقب الشافعی امام الرازی باب ... ۱۲ تاریخ ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲

گیا جہانتک ہمکو علم ہے اس لقب کے ساتھ اول جسکو یہ امتیاز حاصل ہو وہ ربیعۃ الرائے ہیں جو امام مالک کے اُستاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ اُنکے نام کا جزو بن گیا ہے اور تاریخ اور اسماء الرجال میں ہمیشہ اُن کا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے۔ یہ مشہور محدث اور فقیہ تھے اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُنکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے " تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے اُن سے احتجاج کیا ہے عبد العزیز ماجشون کا قول ہو کہ واللہ میں نے ربیع سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا۔

اہل الرائے کی تحقیق

اسی زمانہ میں اور اُسکے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے۔ محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سرخی سے ایک باب باندھا ہو اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں۔ ابن ابی لیلی۔ ابو حنیفہ ربیعۃ الرائے۔ زفر۔ اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ مالک بن انس۔ ابو یوسف قاضی۔ محمد بن حسن " ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی اس سے ثابت ہوتا ہو کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہیں لیکن امام مالک سفیان ثوری امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔ اصل یہ ہو کہ جو لوگ علم حدیث کی درس تدریس میں مشغول تھے انہیں دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک وہ جنکا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے یہانتک کہ اُنکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا پہلا فرقہ اہل الروایۃ اور اہل حدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہوئے محدث بھی تھے

امام مالک سفیان ثوری۔ اوزاعی اسلیئے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا۔ اسلیئے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقے میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابو حنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا امام احمد حنبل سے ایک بار نصر بن یحیی نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ابو حنیفہ پر کیا اعتراض ہو " انھوں نے جواب دیا کہ "رائے" نصر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے۔ امام احمد حنبل بولے کہ ہاں لیکن ابو حنیفہ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں نصر نے کہا تو حصہ رسدی کے موافق دونوں پر الزام آنا چاہیئے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب نہ دے سکے اور چپ ہو گئے[۱]

امام صاحب کے اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ

امام ابو حنیفہ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے اُسکی تدوین کی طرف توجہ

[۱] عقود الجمان۔ خاتمہ۔ فصل اول ۱۲

کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جنمیں کوئی حدیث صحیح بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا اسلیئے اُنکو قیاس سے کام لینا پڑا
قیاس پر گو پہلے بھی عمل تھا خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اُسکے مطابق فتوے دیتے تھے (اس کا مفصل بیان
آگے آئیگا) لیکن اُسوقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی اس لیئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے
تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو قیاس کی کثرت استعمال کے
ساتھ اُسکے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے اسباب نے اُنکو لقب دلایا اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت
دی چنانچہ تاریخوں میں جہاں اُنکا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے
تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کی ابتدا کی اور اُسکے اصول و قواعد منضبط کیئے اُنھوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر
قبول نہ کیں کہ اصول درایت کے موافق ثابت نہ تھیں اسلیئے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی کیونکہ درایت اور رائے
مترادف سے الفاظ ہیں۔ اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق کر سکتے تھے۔

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کیا رتبہ
حاصل تھا اس بحث کے فیصلے کیلئے اُنکی علمی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنی چاہیئے تو نہایت صحیح اور مستند روایتوں
سے ثابت ہیں اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات اُن کتابوں کی سند سے
لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دارومدار ہے اب غور کرو کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا
زمانہ ہے علم حدیث پر توجہ کی ہو اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو جسنے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث
سے حدیثیں سیکھی ہوں جو حرم محترم کی درسگاہوں میں برسوں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جسکو مدینہ منورہ کے شیوخ
نے سند فضیلت دی ہو جسکے اساتذۂ حدیث عطاء بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمرو بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش
کوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابو اسحٰق السبیعی۔ سلیمان بن یسار
عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج۔ منصور المعتمر۔ ہشام بن عروہ وغیرہ ہوں۔ جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جنکی
روایت سے بخاری و مسلم مالا مال ہیں وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔

اسکے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو[1] یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں
عبدالرزاق بن ہمام جنکے جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اُٹھایا۔ یزید بن ہارون جو امام احمد حنبل کے استاد تھے وکیع بن
الجراح جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد و روایت میں میں نے اُنکا ہمسر کسی کو نہیں دیکھا عبداللہ بن المبارک
جو فن حدیث میں امیر المؤمنین تسلیم کیئے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جنکو علی بن المدینی۔
(استاد بخاری) منتہائے علم کہا کرتے تھے یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں اُن کے

[1] ان لوگوں کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ میں کسی قدر تفصیل کیساتھ مذکور ہے

دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر اُنکو فخر و ناز تھا۔ عبد اللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابو حنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔[۵۱] وکیع اور یحییٰ بن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔

اجتہاد کی شرط اور امام ابو حنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا

ان باتوں کے علاوہ امام ابو حنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو اجتہاد کی تعریف علمائے حدیث مثلاً بغوی رافعی علامہ نووی وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے۔ وہ مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن۔ حدیث۔ مذاہب سلف۔ لغت۔ قیاس ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں جو حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں جس قدر علم لغت درکار ہے سلف کے جو اقوال ہیں۔ قیاس کے جو طرق ہیں قریب کل کے جانتا ہو۔ اگر ان میں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اسکو تقلید کرنی چاہیئے[۵۲]

اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث میں مجتہدین کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ بعض نا انصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض فن حدیث میں کم مایہ تھے اسلیئے اُن کی روایتیں کم ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے اُسکو تلاش اور کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے اسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور ردّاً و قبولاً اُس سے بحث کی جاتی ہے[۵۳] علامہ موصوف نے اسکا سبب بھی بتایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں ہم خود اسکو مفصل لکھیں گے۔

محدثین میں بھی اکثروں نے اسکا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں۔ حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف و تصحیح میں رجوع کیا جاتا ہے علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہ ہو چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے اُنکو حفاظ حدیث میں

---

[۵۱] تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲ [۵۲] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲ [۵۳] تعجب ہے کہ اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے جسکو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں سے بیان کیا ہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے ۱۲

محدث ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے

اسلیئے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے امام ابوحنیفہ کے محدث ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں اُنکا ترجمہ لکھا ہے اور اُن کو حفاظ حدیث شمار کیا ہے۔

حافظ ابوالمحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جسکے یہ الفاظ ہیں الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان الحفاظ المحدثین یعنی تیئیسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے،، قاضی ابو یوسف صاحب جنکو یحییٰ بن معین صاحب الحدیث کہتے تھے۔ اور علامہ ذہبی نے اُنکو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے انکا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے ہوتے تھے جب اُنکی رائے قائم ہوجاتی تھی تو میں حلقہ درس سے اٹھکر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا اور اُنسے مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرکے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ امام صاحب اُن حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہیں میں پوچھتا ہوں کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اُسکا عالم ہوں۔

یہ تمام باتیں اسبات کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کیا پایہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے امام ابوحنیفہ کو امام ابوحنیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر اُنکے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے اگر اُنھوں نے کوفہ و حرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا امام ابوحنیفہ کو جس بات نے تمام ہمعصروں میں امتیاز زیادہ دیا ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے یعنی احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام اُنکے مراتب کی تفریق امام ابوحنیفہ کے بعد علم کو بہت ترقی ہوئی غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہوگیا جسکے متعلق سیکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں زمانہ اسقدر ترقی کرگیا کہ باریک بینی اور دقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور دقت نظر نے سیکڑوں نئے نکتے ایجاد کئے لیکن تنقید احادیث اصول درایت امتیاز مراتب میں امام ابوحنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھا

اس اجمال کی تفصیل اُسوقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی نقشہ کھینچا جائے جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا اور کس کس دور میں اُسکی کیا کیا حالتیں بدلیں اسی سے اس بات کا اندازہ ہوسکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد و رائے کا کس قدر کام ہے اور امام ابوحنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام ہمفنوں میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہوچکا تھا۔ لیکن اُسوقت تک جس قدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت میں تھا۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پر آشوب

زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت کا کہاں موقع تھا اسی ضرورت سے احکام و فرائض
بھی کم تھے یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہوا تھا کیونکہ اس زحمت میں اور فرائض کی تکلیف تکلیف مالا یطاق سے
کم نہ تھی نمازیں بھی مختصر تھیں یعنی ظہر عصر عشاء سب میں صرف دو دو رکعتیں فرض تھیں جمعہ و عیدین سفر
سے مامور بہ نہ تھے سلہ ۲ھ میں یعنی نبوت سے تیرھویں برس روزے فرض ہوئے۔ زکوٰۃ کی نسبت اختلاف ہے علامہ
ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سنہ ۹ھ میں فرض ہوئی حج کا حکم بھی اسی سنہ میں ہوا غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک
نماز کے سوا اور احکام صادر ہوئے تھے نہ انکے متعلق حدیثیں اور روایتیں پیدا ہوئی تھیں صحابہ مسائل و احکام
کے متعلق زیادہ پوچھ پاچھ نہیں کرتے تھے خود قرآن میں حکم آچکا تھا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسوءکم
عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا تمام زمانہ نبوت میں
صرف تیرہ ۱۳ مسئلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں[۱] اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے
اقوال منقول ہیں جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے انہیں بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا صحابہ خود
رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور واسطہ در روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی حدیثوں کے قلم بند کرنیکی ممانعت تھی
صحیح مسلم میں روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی شیئا الا القرآن ومن کتب عنی شیئا غیر القرآن فلیمحہ رسول کے
بعد حضرت ابوبکر کی خلافت شروع ہوئی ابتداء ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا اس سے فارغ ہو کر
روم و ایران کی مہمیں شروع ہو گئیں اور انکی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہو سکی حضرت عمر
نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے
علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کی طرف
غلط روایت منسوب نہ کر دے صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں[۲] ایک بار انصار کے ایک گروہ
کو کوفہ بھیجا چلتے وقت آپ نے فرمایا کہ تم لوگ کوفہ جا رہے ہو۔ وہاں ایک قوم سے ملوگے جو بڑی رقت سے قرآن
تلاوت کرتے ہیں۔ وہ تمہاری آمد سنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے
پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[۳] اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر نے
خود انکی مشایعت کی اور ان سے پوچھا کہ جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں لوگوں نے کہا تکرمۃ لنا
یعنی ہماری عزت افزائی کیلئے، فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن
کی تلاوت کیا کرتے ہیں انکو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب لوگ قرظہ پہنچے
تو لوگ یہ سنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے

سلسلہ حدیث کی مختصر تاریخ

حضرت عمر کثرت روایت کو روکتے تھے

---

[۱] مسند دارمی ۱۲ [۲] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمر ۱۲ [۳] مسند دارمی ۱۲

اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمر نے منع کیا ہے[51] حضرت ابوہریرہ سے ابو سلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے بولے کہ نہیں ورنہ عمر درے مارتے[52]

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت بیس اکیس برس . . . ہی اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی صحابہ دور دور پھیلے چکے تھے ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے ان اسباب نے حدیث اور روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی حضرت عثمانؓ کے آخر زمانہ میں بغاوت ہوئی جسکا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پر آشوب رہی ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کرلی تھیں مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی انھوں نے کچھ خیال نہ کیا بشیر نے کہا ابن عباس! میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے" فرمایا کہ "ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور کان لگا کر سنتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے نیک و بد میں تمیز نہیں رکھی ہم صرف اُن حدیثوں کو سنتے ہیں جنکو ہم خود بھی جانتے ہیں"

حدیثوں کی وضع کی ابتدا

زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباس حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک دفعہ عبداللہ بن عباس نے حضرت علیؓ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

وضع حدیث اور روایت میں بے احتیاطی کے اسباب

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہہ دیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اسلئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی اسی قدر ان کی قدر اور انکی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہو گئی تھی نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں۔ ان نو مسلموں کو ادھر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا ادھر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا

[51] طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۱۲ [52] طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۱۲۔

کرنے کی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی ان باتوں نے انکو معلومات مذہبی کا اسقدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب انکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سیکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہوگئیں لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا ان اسباب سے روایتوں میں اسقدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہوگیا یہانتک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں اسمیں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں "سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کریں حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کریں عبد الکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اسکی موضوعات سے ہیں بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہوگئیں اور رواج پا گئیں۔

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کیں
ایک شخص نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں

وضع کے بعد مساہلات غلط فہمیاں بے احتیاطیاں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہوگئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ اسکے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے امام زہری جو امام مالک کے استاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے انکی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں (کذا کان الزھری یفسر الحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر یعنی اسی طرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جنسے اس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے" وکیع کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے تھے۔ اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

بڑی آفت تدلیس کی تھی جسکا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے۔ اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا اسکے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں جنکی تفصیل حدیث کی کتابوں میں ملسکتی ہے غرض امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا ہزاروں موضوعات اغالیط ضعاف

له فتح المغیث صفحہ ۱۳۰-۱۳۱

مدرجات سے بھرا ہوا تھا۔ اسوقت امام بخاری و مسلم نہ تھے جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے
امام ابوحنیفہ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اسطرف متوجہ نہو سکے تاہم انھوں نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی
اور اسکے ضوابط قرار دیے انکے اصول تنقید نہایت سخت خیال کیے گئے ہیں یہانتک کہ محدثین نے انکو شدید فی
الروایۃ کا لقب دیا ہے تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونیکی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور
وجوہ کی بہ نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں والامام ابوحنیفۃ انما قلت روایتہ لما
شدد فی شروط الروایۃ والتحمل یعنی امام ابوحنیفہ کی روایتیں اسلیئے کم ہیں کہ انھوں نے روایت و تحمل کی شروط
میں سختی کی حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو
صحیح ہیں یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے یہ صدا اگرچہ جدت کیوجہ سے کسی قدر نامانوس
صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی لیکن امام صاحب اس خیال پر
مجبور بلکہ معذور تھے۔ انھوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی وہ اپنے زمانہ کے اکثر شیوخ سے ملے تھے اور
ان کے سرمایہ حدیث سے متمتع ہوئے تھے حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی کوفہ بلکہ عراق
میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسوں کے تجربے سے انکے ذاتی اوصاف اخلاق و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی۔
غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنیکے لیے جو شرطیں درکار تھیں سب ان میں موجود تھیں۔

امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم حدیثیں صحیح ہیں

اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں انکے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا
حدیث و فقہ میں انکے خاندان تعلیم کے مورث اول عبداللہ بن مسعود ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر
انھیں کی روایات اور استنباطات پر ہے عبداللہ بن مسعود۔ اگرچہ بہت ہی بڑے محدث تھے لیکن اور محدثین
صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی ان کے تذکرہ میں لکھتے
ہیں کہ ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایۃ۔ وکان یقل من الروایۃ للحدیث یعنی عبداللہ
ابن مسعود ادا میں تحری اور روایت میں تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی کم روایت کرتے تھے" ابراہیم نخعی جو
عبداللہ بن مسعود کے بیک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بیک واسطہ استاد تھے انکا بھی یہی مذہب
تھا اور اسی وجہ سے وہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سے درسگاہوں میں تعلیم
پائی تھی لیکن انکی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا یہی خاندانی اثر تھا جسنے ان کے دل میں
یہ خیال پیدا کیا اور اسکو انکے ذاتی تجربہ اور دقت نظر نے اور بھی قوت دی

اس خیال کا ایک بڑا سبب

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا امام
مالک و امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے متاخر ہیں انکے اصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف

امام مالک و امام ابوحنیفہ کی شروط روایت قریب قریب متحد ہیں

پر تو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قیود اور شرطیں لگائی ہیں وہ امام ابوحنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہیں اور یہی وجہ ہے کہ متشددین فی الروایۃ میں امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ لیا جاتا ہے ابن الصلاح مقدمہ میں کہتے ہیں۔ ومن مذاہب التشدید مذہب من قال لا حجۃ الا فیما رواہ الراوی من حفظہ وتذکرہ وذلک مروی عن مالک وابی حنیفۃ یعنی متشددین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جس کو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اس میں دس ہزار حدیثیں تھیں پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چھ سات سو رہ گئیں۔ امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوائیے جو رسول اللہ سے ثابت ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ[1] ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں۔ کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے جو حدیثیں رسول اللہؐ سے روایت کیں ان کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے۔ عمر بن الخطابؓ باوجود اس کے کہ رسول اللہؐ کے بعد مدت تک زندہ رہے ان کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں۔ حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علیؓ اگرچہ لوگوں کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن ان سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطمئن نہیں ہے اسنے جو حدیثیں مروی ہیں اکثر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کی ہیں ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روایتیں صحیح سند سے ثابت نہیں۔ ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امام ابوحنیفہ معتزلیوں کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثوں کو تسلیم کرتے تھے ان کے شاگردوں نے خود ان سے سیکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں موطا امام محمد کتاب الآثار کتاب الحجج جو عام طور پر متداول ہیں ان میں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں۔ البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے اور اس کی وجہ یہی شرائط روایت کی سختی ہے

امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثیں بہت کم ہیں

امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہیں کچھ ایسی ہیں جن میں وہ منفرد ہیں یا صرف امام مالک اور بعض مجتہدین ان کے ہم زبان ہیں ان میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ "صرف وہ حدیث حجت ہے جس کو راوی نے اپنے کانوں سنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو" یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس کی تفریعیں نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو ان سے اتفاق نہیں ہے۔ محدثین کے نزدیک ان پابندیوں سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے ہم کو بھی انکار نہیں لیکن ان کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں کہ احتیاط مقدم ہے یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفریعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے

امام صاحب نے روایت کیلئے کیا شرطیں مقرر کیں

[1] مناقب الشافعی از امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۱۲

ظاہر ہوگا کہ امام ابو حنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیوں پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقہ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ اس وقت متعدد مستملی یعنے نائب جا بجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سن کر حدیث روایت کرتے تھے۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اس کے خلاف ہیں۔ ائمہ محدثین میں سے حافظ ابو نعیم فضل بن وکین زائدہ بن قدامہ۔ امام صاحب کے ہم زبان ہیں[1] حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ "مقتضائے عقل بھی (امام ابو حنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے"۔

امام ابو حنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ انکے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اس لیئے روایات میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ میں جس قدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ میں اس کا وہ پایہ نہیں قائم رہ سکتا تھا ایسے شبہہ مستملی کے کم کرنے کا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعوں پر بغیر مستملی کے کام نہیں چل سکتا تھا لیکن یہ انصافی تھی کہ جس شخص نے بلا واسطہ شیخ سے سنا ہو اور جس نے مستملی سے روایت کی ہو دونوں کا ایک درجہ ہے مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے اس لیئے غلطیوں کا احتمال اور بھی قوی ہو جاتا تھا اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ عجیب تر یہ طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابو ھریرۃ حالانکہ وہ ابو ہریرہؓ سے کبھی نہیں ملے تھے انھوں نے اسکی یہ تاویل کی تھی کہ ابو ہریرہؓ نے جب وہ حدیث بیان کی تو اس شہر میں وہ موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ انکے شہر والوں نے ان شیخ سے سنا تھا محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے ان لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ ان کی قوم نے وہ حدیث ان لوگوں سے سنی تھی "یہ امر علاوہ اس کے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی۔ حدیث کی سناد کو مشتبہ کر دیتا تھا کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اس کا نام نہیں بتایا اس لئے اس کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہو سکتا صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور انکے بعد اور ائمہ حدیث نے بھی ان کی متابعت کی۔ ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شخص سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کر لیں تو ان اجزا

اخبرنا و حدثنا کے معنی میں وسعت

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۷۱۔ ۱۲

سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اس کو اس قدر وسعت دی گئی کہ گو راوی کو اُن حدیثوں کے الفاظ ومعانی
کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بنا پر کہ اجزا اس کے پاس موجود ہیں اُن کی روایت کرسکتا ہے امام ابوحنیفہ نے
اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ ومطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں۔

اجزاء سے روایت

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے
ائمہ فن نے اس کی موافقت کی۔ امام بخاری ومسلم وغیرہ کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی
تھی کیونکہ اس وقت روایت باللفظ کا عام رواج ہوچکا تھا لیکن امام ابوحنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر
بالمعنی روایت کی جاتی تھیں۔ اس لئے اگر راوی کو الفاظ حدیث موقع حدیث شان نزول وغیرہ یاد نہیں
ہوتے تھے تو روایت کا بعینہا ادا کرنا قریبًا ناممکن ہوتا تھا۔ اسی ضرورت سے امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو
محدود کردیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔ سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ
یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعًا قابل حجت ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ
رہا ہے اور اب بھی ہے امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سنی
جبکہ سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا۔ لیکن مطلب ایک تھا اُنہوں نے کسی صحابی سے یہ حقیقت بیان (کی)
کی صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ
بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہوسکتا تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بعض صحابہ
روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے بخلاف اس کے بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعود کو
روایت باللفظ پر اصرار تھا علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں اُن کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں
کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو زجر کرتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی
نہ کریں۔ عبداللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے
او مثلہ او نحوہ او شبیہ بہ ما فوق ذلک واما دون ذلک واما قریب من ذلک۔ یعنے رسول اللہ
نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اسکے مثل یا اس کے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اس کے
قریب فرمایا تھا۔ ابو درداء کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کرکے کہا کرتے تھے ھذا او نحو ھذا او شکلہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایت سے منع کیا کرتے تھے اُن کا بھی غالبًا یہی منشا تھا وہ جانتے تھے
کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت میں تغیر وتبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

روایت بالمعنی

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہ ہوا تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابوحنیفہ کے استاد
الاستاد روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا امر اتفاق عام ہوگیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے۔ چنانچہ

اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے۔ مجتہدین میں سے صرف امام مالکؒ سے خلاف ہیں۔ محدثین کا ایک گروہ جنہیں امام مسلم، قاسم بن محمد، محمد بن سیرین، رجاء بن حیوۃ، ابو ذرعہ، سالم بن ابی الجعد، عبدالملک بن عمر داخل ہیں۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا۔ لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہیں اور درحقیقت ایسا ہی فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرت روایت کی طرف ہو جواز ہی کا قائل ہو سکتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جائے تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اسقدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے۔ زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی حیثیتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی۔

اور ادائے مطالب کو نہایت عام وسعت دی ہے۔ صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہؐ کے الفاظ و مطالب کا اندازہ دان نہیں ہو سکتا تھا۔ اول تو وہ زباندان اور زبان کے عالم تھے۔ اس کے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہؐ کی طرز ادا، طریقہ گفتگو، انداز کلام، پہلوئے سخن سے خوب واقف تھے تاہم کتب حدیث میں اس کی متعدد نظیریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے ادائے مطالب میں کمی یا زیادتی ہو گئی۔

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے آنحضرتؐ سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداه واکاسیاه واناصراه واجبلاه یعنی جب مردہ پر یہ الفاظ کہہ کر رویا جاتا ہے تو اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابن عمرؓ یہ حدیث بیان کرتے تھے حضرت عائشہؓ نے کہا میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمرؓ جھوٹ کہتے ہیں لیکن ان کو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مر گئی اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے سنا تو فرمایا کہ اس کے گھر والے رو رہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ جس سے اس بات پر استدلال کیا کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ گھر والے روتے ہیں تو اس کا بیچارے مردے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس پر عذاب کیا جاوے۔ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہؐ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک قصہ بیان کیا تھا۔ راوی نے روایت کو ان کا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے کہ ان المیت یعذب ببکاء الحی یعنی مردہ کو زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے قلیب پر کھڑے ہو کر فرمایا ھل ما وعد ربکم حقا لوگوں نے عرض کی کہ آپ مردوں سے خطاب فرماتے ہیں ارشاد ہوا کہ جو میں کہتا ہوں ان لوگوں

سن لیا لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کے سامنے بیان کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما دعوتھم حق[51] یعنی ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی وہ حق ہے دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کس قدر فرق ہے اور اس سے سماع موتی کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔ غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے دور کا کیا ذکر ہے لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں انہوں نے چند الفاظ مثالاً بتلائے ہیں کہ ہم انکو دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کرسکتے ہیں اور معنی میں مطلق فرق نہیں پیدا ہوگا، حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان لفظوں کے اثر میں صاف تفاوت نظر آتا ہے۔ محدث سخاوی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب اب بجائے اسکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بقتلہما۔ محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال میں الفاظ کے اختلاف نے معنی میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل میں صریح تفاوت ہے اقتلوا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس میں وہ تحتم اور تاکید نہیں ہے جو امر میں ہے۔

روایت بالمعنی کے متعلق امام ابوحنیفہ کے اصول

امام ابوحنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کرکے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا۔ جو حدیثیں انکے زمانے سے پہلے بالمعنی روایت ہوچکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں انکے قبول سے تو چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہو جاتا۔ اس لئے امام صاحب نے ان حدیثوں کو قبول کیا لیکن یہ قید لگائی کہ رواۃ حدیث فقیہ ہوں یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں کہ تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے لیکن احادیث کا مدار (جیسا کہ محدثین نے تصریح کردی ہے) ظن غالب پر ہے اس لئے جب تک کوئی مخالف دلیل موجود نہ ہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی امام صاحب نے ان احادیث کو بھی قبول کیا جن کے رواۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہ ہوں لیکن ان کا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور ان میں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی امام صاحب کے ان اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا۔ الفیۃ الحدیث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اس کو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ داں ہو اس کی نسبت اختلاف ہے۔ کثرت رائے اس طرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں[52] لیکن امام ابوحنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کردیا اور لوگوں کیلئے روایت باللفظ کی قید لگائی اور امام طحاوی نے بسند متصل ان سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہئے جو روایت کرنے کے وقت اسی طرح یاد ہو جس طرح سننے کے وقت یاد تھی۔ ملا علی قاری اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔ اسکا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت

---

[51] تاریخ کبیر للامام ابو جعفر محمد بن جریر طبری صفحہ ۱۳۴۲-۱۲

[52] یعنی کہا گیا کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ محدثین و فقہا و اصولیین شافعیہ کا ایک گروہ اسی کا قائل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے ۱۲

بالمعنی کو جائز نہیں سمجھتے تھے لہٰ اس پابندی میں اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا۔ فتح المغیث میں ہے۔ وقیل لا تجوز له الروایة بالمعنی مطلقا قاله طائفة من المحدثین والفقهاء والاصولیین من الشافعیة وغیرهم قال القرطبی وهو الصحیح من مذهب مالک لیکن عام ارباب روایت اس سختی سے کیونکر راضی ہوسکتے تھے۔ چنانچہ ایک بڑے فرقے نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایة ٹھہرایا تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا خود حدیث میں آیا ہے کہ نضر الله امرا سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اس شخص کو شاداب کرے جس نے ہم سے سنا اور اسکو اسی طرح پہنچایا جیسا کہ ہم سے سنا تھا۔ اس سے زیادہ اسباب میں کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے صحابہ میں سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث اُن کو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سنا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ الفاظ کے پابند تھے امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں یہ حدیث عام ہو چکی تھی اس لیے اُن کا اسکی تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔

اصول درایت

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیے اور انکو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علماء نے جسقدر توجہ کی اسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں ملسکتی لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا گیا حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بعض تصنیفیں لکھی گئیں لیکن وہ اس قدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہیں ہیں اصول حدیث ایک مستقل فن بن گیا ہے اور بڑی بڑی کتابیں جو اس فن میں لکھی گئیں عموماً متداول ہیں لیکن اُن سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہی اصول فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا ہیں یہ عزت امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس وقت اُن کی نگاہ ان باریک نکتوں پر پہنچی۔ بے شبہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور حقیقت میں یہی امام ابوحنیفہ کے لیے دلیل راہ بنے لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی کم اور ناپید تھیں کہ انپر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑسکتی تھی روایت کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار و عدم اعتبار پر نہیں ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اُسکے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن واقعہ صحیح نہیں ہوتا حدیث میں بھی اس کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ اسلیے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی

لہ شرح امام اعظم از ملا علی قاری صفحہ ۱۲۰۳

کے اقتضاء زمانہ کی خصوصیتیں۔ منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اسکی صحت بھی مشتبہ ہوگی یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں^۵۱ کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس میں راویوں کے تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو یا قرآن حدیث متواتر اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو یا جس میں ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں

امام ابو حنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے ان میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہیں

(۱) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں^۵۲۔ یہ وہی قاعدہ ہے جس کو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے۔ اس وقت اسلامی علوم اوج کمال کو پہنچ گئے تھے اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا امام صاحب نے اول اول یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہیں امام صاحب کے سامنے پیش کیجاتی تھیں تو وہ ان سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگوں پر گراں گزرتا تھا کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اصول درایت سے غرض نہ تھی۔ زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ اصول حدیث میں داخل کر لیا گیا لیکن ارباب روایت نے اس کو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیوں مزخرف اور دور از کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

تلک الغرانیق العلی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی زبان سے سورہ نجم کی تلاوت

---

۵۱ ابن جوزی کے الفاظ جیسا کہ فتح المغیث میں منقول ہے یہ ہیں کل حدیث رایتہ یخالفہ العقول اوینا قض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا تتکلف اعتبارہ ای تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحھم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ والاجماع القطعی حیث لا یقبل شئ من ذلک التاویل او تتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیۃ۔

۵۲ اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ۱۲

کے وقت) بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی یعنی یہ بت بہت معزز ہیں اور اُن کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے"، اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرتؐ کی زبان میں ڈال دیئے تھے چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھلائے تھے آپ نے کہاں سے پڑھ دیئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے موافق بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض و ابوبکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اس کو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہیں گزرا وہ بڑے زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اس لئے اسکی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا!!!

اسی طرح ردالشمس کی حدیث کو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی اس لئے آنحضرتؐ کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا۔ محدث ابن جوزی نے جرأت کر کے موضوع کہا لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی۔ امام صاحب کے زمانہ میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دیئے ہیں جس کی رُو سے شریعت کے بہت سے عملی مسائل برباد ہوئے جاتے ہیں۔

(۲) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں اُنکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہو گی۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں سے متعلق تھے اس لئے صرف ایک دو شخص تک اُس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس روایت کو قبول نہیں کرتے جو قیاس کے مخالف ہو اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے اکثر غلطی کی ہے اور انہیں غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر میں بہت سی بدگمانیاں قائم ہو گئیں ان لوگوں نے امام صاحب کے مقصد و منشا پر کافی غور نہیں کی اور عام رائے قائم کر لی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہیں وہ صریح اس دعوی کے خلاف ہیں مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابوحنیفہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے۔ امام محمد اس بحث میں کہ قہقہہ نماز ناقض وضو ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف استدلال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں لولا ما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اھل المدینۃ ولکن لا قیاس مع اثر و لا ینبغی الا ان ینقاد للآثار یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کی

مخالفت قیاس

چیز نہیں اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیئے" اس سے زیادہ اسباب میں کیا تصریح ہو سکتی ہے۔
عقود الجمان کے مصنف نے مختلف روایتوں سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کیے ہیں کہ میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو دخل نہیں دیتا۔ امام جعفر صادق سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اسمیں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔
ان تصریحات کو دیکھکر بعضوں نے اس انتساب میں تخصیص کی اور دعوے کیا کہ "جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اُس کو امام صاحب قبول نہیں کرتے"۔ عبدالکریم شہرستانی نے اصحاب الرائے کے بیان میں جہاں امام ابوحنیفہ اور اُن کے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ ودبما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ اکثر قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی میں اس کی جا بجا تصریح کی ہے اور اس بنا پر امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قائم کیے ہیں۔
میں نے بہت کچھ جد و جہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول مل سکے لیکن نہ مل سکا جن لوگوں نے امام صاحب کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہیں صریح قول نہیں پیش کر سکتے۔ بے شبہ حنفیوں کے اصول فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ "وہ حدیث جس کے رواۃ فقیہ نہ ہوں اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہیں"۔ لیکن یہ حنفیوں کا مسئلہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف عیسے ابن ابان اور اُن کے پیروں کی رائے ہے۔ ابوالحسن کرخی وغیرہ صریح اس کے مخالف ہیں۔[1] صاحب مسلم الثبوت نے اس قول کو ترجیح دی ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ کی طرف یہ دعویٰ صرف اس اعتماد پر منسوب کر دیا گیا کہ فقہائے حنفیہ میں سے چند علماء اس کے قائل ہیں بہت بڑی مثال بیع مصراۃ کی پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے لیکن ان مدعیوں کو معلوم نہیں کہ اس مثال میں قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی ذاتی رائے ہے۔ امام صاحب سے اسکو کچھ واسطہ نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تو احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا۔ بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط میں بھی اُن کو معذور نہیں رکھتے کیونکہ یہ رائے بعض حنفیوں کی ہے نسب کی امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہیں ہے۔
بیع مصراۃ کی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہیں کیا بلکہ اُس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے امام طحاوی نے معانی الآثار میں اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مذہب لکھکر لکھتے ہیں وذهبوا الی ان ما روی عن رسول الله فی ذلک مما تقدم ذکرنا له فی هذا الباب منسوخ یعنی یہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ اس بارہ میں جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

[1] تعجب ہے کہ بڑے بڑے علماء یہاں تک کہ امام غزالی۔ امام رازی نے بھی امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی۔

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہیں کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعویٰ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیئے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ اُن سے ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ متاخرین نے ان باتوں میں کم احتیاط کی ہے۔ اس لیئے ہم کو نہایت غور و تحقیق سے کام لینا ہے۔ یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کیجاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے لیکن ذرا تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہیں بخلاف اس کے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابوحنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے۔ امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھالی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی۔ حدیث پر استدلال کر کے کہتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے ایسے کچھ چیز نہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ما جاء فی هذا من الآثار لامرت بالقضاء یعنے اگر اس بارہ میں آثار موجود نہ ہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا۔[1]

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں جبتک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن اُن شرطوں کے ساتھ حدیث ثابت ہو تو اُنکے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابوحنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں رکھا لیکن اُنکے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور اُن معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے۔ مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہیں ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیا عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں بعض خود شارع کے کلام سے اُس کے اشارے پائے جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کی مصلحت ہم کو معلوم نہیں لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہیں۔ اس اختلاف رائے نے حدیثوں کی روایت پر مختلف اثر پیدا کیے بعض لوگ جب کسی حدیث کو سنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اُسکے راوی ثقہ ہیں یا نہیں۔ اگر اُنکے خیال کے موافق قابل حجت ہیں تو پھر اُن کو کوئی بحث نہیں ہوتی تھی اور بے تکلف اُس حدیث کو قبول کر لیتے تھے دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ و عقیدہ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کیطرف مائل ہوتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ راوی فہم و درایت

حسب امام صاحب کے نزدیک حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں ہے

قیاس ہے بار بھی

---

[1] کتاب الحجج امام محمد ۱۷۱

لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہیں روایت باللفظ ہے یا بالمعنی. موقع حدیث کیا تھا. کون لوگ مخاطب تھے کیا حالت تھی غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے ان باتوں سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔
یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا۔ صحیح ابن ماجہ و ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضوءا مما غیرت النار یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اُسکے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے" اسی بناء پر بعض مجتہدین قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس موجود تھے بولے کہ اتوضا من الحمیم یعنی اس بناء پر تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے" ابوہریرہ نے کہا۔ اے برادرزادہ! جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اسپر مثالیں نہ کہو" لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ حضرت عائشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ جو اعتراض کیا تھا اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا صحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کا استقصا اس موقع پر ضروری نہیں۔
امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی۔ اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں اس موقعہ پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے شاہ ولی اللہ صاحب کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لیئے کافی ووافی ہے یہاں صرف اس قدر کہنا ضرور ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل و نقل دونوں کے جامع تھے مثلاً امام غزالی عزالدین عبدالسلام۔ شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تھا امام ابوحنیفہ۔ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔ دو متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھیں ان میں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکورہ کے موافق ہو امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے ان کی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے جس کی یہ تعریف کی ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اسکو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے اُنکا قول ہے کہ ھی الھام ولو قلت للقیم بانہ لل من این لک ھذا لم تکن لہ حجۃ[۱] یعنی یہ الہام ہے اور اگر تم معلل سے پوچھو کہ تم نے کیونکر اس کو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ محدث ابو حاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں اُنہوں نے بعض کو مدرج بعض کو باطل بعض کو منکر بعض کو صحیح بتایا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کیا راوی نے آپ کو ان باتوں

[۱] فتح المغیث صفحہ ۹۸-۱۲

کی اطلاع دی؟ ابو حاتم نے کہا نہیں! بلکہ مجھ کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہیں۔ ابو حاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو اگر وہ میرے ہم زبان ہوں تو سمجھنا کہ میں نے بیجا نہیں کہا سائل نے ابو زرعہ سے وہ حدیثیں جا کر دریافت کیں انہوں نے ابو حاتم کی موافقت کی تب سائل کو تسکین ہوئی

بعض محدثین کا قول ہے اثر یجیء علی قلوبھم لا یمکنھم ردہ وھیئۃ نفسانیۃ لا معدل لھم عنہ[1] یعنی ایک امر ہے جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اسکو رد نہیں کر سکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا، محدثین کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے بلاشبہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس سے خود تمیز ہو جاتی ہے کہ یہ قول رسول اللہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں اسی طرح شریعت کے احکام اور مسائل اور ان کے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقراء سے ایسا ذوق حاصل ہو سکتا ہے جس سے یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا یا نہیں۔ لیکن ان اسرار اور مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں ہے وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ نے بعض حدیثوں کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی۔ اور بعضوں کو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب حدیث کو عقل و رائے کی بنا پر رد کرتے ہیں لیکن انصاف پسند انصاف کر سکتا ہے کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقراء سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جس میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں رد کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جس شخص نے دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت کے اسرار اور مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم رہے البتہ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جس کا صرف وہ شخص متکفل ہو سکتا ہے جو بہت ہی بڑا عالم۔ مجتہد۔ محدث۔ دقیقہ بین۔ مؤید بتائید الٰہی ہو۔ لیکن ان شرطوں کا جامع امام ابو حنیفہ سے زیادہ کون ہو سکتا ہے۔

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابو حنیفہ نے اس فن میں اضافہ کی وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت اور ان تفاوتوں کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہے احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جس میں کسی کو گفتگو نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے۔ حدیث اور قرآن میں اصل امر کے لحاظ سے تو چنداں فرق نہیں۔ وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر متلو۔ جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے اگر کوئی حدیث اسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثوں کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہیں اور احکام کے ثبوت میں انہیں تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے محدثین نے حدیث کی جو تقسیمیں کی ہیں یعنی صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ مشہور۔ عزیز۔ غریب وغیرہ انکا اختلاف مراتب احکام پر بالکل

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۲۰۹

نہیں پڑتا۔ چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے باقی اقسام کو قریباً یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسائل اُن کا فرض نہ تھا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کو تدوین فقہ کی وجہ سے جسکے وہ بانی اول ہیں زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی اُنہوں نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں قرار دیں (۱) متواتر

متواتر

یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں اس کثرت سے ہوں جن کے تواتر علی الکذب کا گمان نہیں ہو سکتا یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگوں نے روایت کی ہو اسی طرح اُن لوگوں سے لیکر اخیر زمانہ تک بیشمار رواۃ

مشہور

کرتے ہوں (۲) مشہور یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں تو بہت نہوں لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے مشروط ہے (۳) احاد جو متواتر اور مشہور نہ ہو۔ اس تقسیم کا اثر ان کی رائے کے موافق

احاد

احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہو سکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے اس لئے اُس سے فرضیت کا اثبات تو نہیں ہو سکتا لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہو سکتا ہے اسی طرح اُس سے زیادہ علی الکتاب ہو سکتی ہے احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اس لئے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتی۔ یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور محدثین اس کے مخالف ہیں۔ امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کئے ہیں جو امام شافعی اور امام محمد میں واقع ہوئے اور جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی نے امام محمد کو بند کر دیا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہیں جن کا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب امام ابوحنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔

قوی سے قوی اعتراض جو اس مسئلہ پر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہ اور اُن کے تلامذہ اُسکے پابند نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر احاد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہو سکتی امام محمدؒ نے کہا ہاں۔ امام شافعی نے کہا کہ قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بنا پر لا وصیۃ للوارث وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعی سے لی ہے جس میں اور بھی بے سروپا باتیں مذکور ہیں لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کی اس آیت سے جس میں توریث کے احکام ہیں یہ صرف حنفیوں ہی کی رائے نہیں بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الشاذ النادر منہم)

ان مسائل پر اور بھی بہت سی بحثیں پیدا ہو گئی ہیں جن کی تفصیل ہم نہیں کر سکتے لیکن اخبار احاد

کی بحث اور اس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اُس کو ہم اس موقعہ پر تفصیل سے لکھتے ہیں کیونکہ بعض
محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں اُن سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہیں لیکن ایک
فرقہ اس کے خلاف بھی ہے جس کے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہیں اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی
تمام حدیثوں کو قطعی نہیں تسلیم کیا ہے اُنہوں نے صحیح حدیث کی سات قسمیں کی ہیں (۱) جس پر بخاری و مسلم دونوں
متفق ہوں (۲) بخاری منفرد ہوں (۳) مسلم منفرد ہوں (۴) بخاری و مسلم نے اُس کو روایت نہ کیا ہو لیکن
اُن کی شرطوں کے موافق ہو۔ (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو (۷) بخاری و مسلم
کی شرط کے موافق نہ ہو لیکن اور محدثین نے اسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ اُن سات قسموں میں سے علامہ ابن الصلاح
پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں وهذا القسم جميعه مقطوع بصحته والعلم النظری
واقع به متفردات بخاری اور مسلم کی نسبت اُن کی رائے ہے کہ اسی قبیل میں داخل ہیں بجز ان چند حدیثوں
کے جن پر دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے۔ ابن الصلاح کا قول اگرچہ ظاہر بینوں میں اور بالخصوص آجکل زیادہ
رواج پا گیا ہے لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے اور خود ائمہ حدیث اُس کے
مخالف ہیں۔ علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کر کے لکھتے ہیں وهذا الذی ذکره
الشیخ فی هذه المواضع خلاف ما قاله المحققون والاکثرون فانهم قالوا احادیث الصحیحین
التی لیست بمتواترة انما تفید الظن فانها احاد والاحاد انما تفید الظن علی ما تقرر ولا فرق
بین البخاری ومسلم وغیرهما فی ذلک یعنی شیخ ابن الصلاح نے ان موقعوں پر جو کچھ کہا وہ محققین اور
اکثروں کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ محققین اور اکثروں کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو
نہیں پہنچی ہیں صرف ظن کی مفید ہیں کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ اُن سے
صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے اور اس باب میں بخاری و مسلم اور اور لوگ سب برابر ہیں"۔ ابن الصلاح کے قول کو
اور ائمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو نقلی طور سے طے کرنا نہیں چاہتے ہم کو خود غور کرنا چاہیے کہ
اخبار احاد سے یقین پیدا ہو سکتا ہے یا ظن۔

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اسکا یہ دعویٰ درحقیقت چند ضمنی دعووں پر مشتمل
ہوتا ہے یعنی یہ کہ روایت متصل ہے اسکے رواۃ ثقہ ہیں ضابطہ القلب ہیں۔ روایت میں شذوذ نہیں ہے کوئی علت
قادحہ نہیں ہے یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہیں جن پر یقین کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث
سے استنباط کر کے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور اُس کی صحت یقینی نہیں ہوتی کیونکہ استنباط میں جن مقدمات

ے اس نے کام لیا ہے اکثر اس کے ظنیات ہیں۔ اسی طرح حدیث کا حال ہے کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے اور دوسرا شخص اسکی صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق۔ قواعد استنباط طریق روایت نوں ان کے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے۔ حدیث کی تحقیق و تنقید کیلئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جن پر احادیث کی صحت کا مدار ہے سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہیں۔ ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی لیکن جس شخص نے اصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اسی نکتہ کی طرف امام ابو حنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ هذا الذی نحن فیه رای لا نجبر علیه احدا ولا نقول یجب علی احد قبوله بعضوں نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا لیکن ان کو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل سے زیادہ مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

احادیث کے ظنی الثبوت ہونے کی تحقیق

اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونے کا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں اختلاف ہوتا ہے ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح مستند واجب العمل قرار دیتا ہے دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع بتاتا ہے محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع لکھ دیا علامہ سخاوی لکھتے ہیں بل ربما ادرج فیها الحسن والصحیح مما فی احدی الصحیحین فضلا عن غیرهما یعنی ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ دوسری کتابوں کا کیا ذکر ہے۔ بے شبہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے جس کا حاصل اسی قدر ہے کہ انھوں نے بخاری یا مسلم کے صحیح اجتہاد کو غلط کیا۔ ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں انکا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے ہیں ان میں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں صحابہ کے ان الفاظ کو "یہ امر سنت ہے" "ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا" "ہم اس بات سے روکے گئے تھے" "رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے یا ہم اسکو برا نہیں سمجھتے تھے" اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے اور بعضوں نے یہاں تک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے انکو ان لفظوں سے روایت کر دیا کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا" ....

.... حالانکہ یہ الفاظ اس باتنی میں قطعی الدلالۃ نہیں ہیں بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر

مبنی ہیں جس کی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے فہم الصحابی لیس بحجۃ یعنے صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں اسی بنا پر بعض علما نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ رفع و اتصال کے لیئے کافی نہیں ہیں۔ امام شافعی ابن حزم ظاہری۔ ابو بکر رازی اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے" حدیث مرفوع نہیں قرار دیا گیا۔ بہیترو احادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جن میں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کئے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی بلکہ خود اُن کا قیاس و اجتہاد تھا۔ لیکن اکثر محدثین نے اُن حدیثوں کو مرفوع کہا اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اُس کی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کر دی جس کی وجہ سے ایک عام شبہہ پیدا ہو گیا۔

معنعن روایتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہمزمان اور کبھی ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائیگی۔ امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ انہیں کے طریقے کے پیرو تھے۔ تاہم انھوں نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزمان ہونا کافی سمجھا[۵۱] اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اصول کے موافق امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتیں جن میں لقا نہیں ثابت ہے منقطع ہیں حالانکہ امام مسلم اُن کو متصل سمجھتے ہیں اور اس بیان کو یہاں تک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت میں اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ دو شخص ہمزمان اور ہم لقا ہوں تو اُن کی روایتیں ہمیشہ بالذات ہوں جہاں حدثنا اور اخبرنا ہوگا وہاں سماع بالذات ضرور ہے لیکن اگر یہ الفاظ نہیں ہیں اور راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال غالب ہو گا لیکن یقینی نہ ہو گا حدیث و سیر میں بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں کہ دو راوی ایک زمانہ میں تھے اور آپس میں ملاقات بھی تھی تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتیں بواسطہ کیں روز مرہ کے تجربوں میں اس کی سینکڑوں شہادتیں ملتی ہیں

رجال کی تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے۔ اخبار آحاد کا تمام مدار رجال پر ہے لیکن رجال کی تنقید و توثیق ایسا ظنی مسئلہ ہے جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ نہایت متدین۔ نہایت راستباز سمجھتے ہیں۔ اسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ غیر ثقہ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس رتبہ کے ہوئے ہیں جن کی عظمت و شان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ امام بخاری و مسلم میں گو ایسا سخت اختلاف نہیں ہے تاہم بہت سی روایتیں ہیں جن کو

۵۱ دیکھو مقدمہ صحیح مسلم ۱۲

ان دونوں اماموں سے ایک قابل حجت سمجھتا ہی اور دوسرا نہیں سمجھتا علامہ نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں بعضوں کے نام بھی لکھے ہیں اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہی کہ اُن لوگوں کی تعداد جنسے امام مسلم نے مسند صحیح میں احتجاج کیا ہی اور امام بخاری نے جامع صحیح میں اُنسے حجت نہیں لی ۱۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں رواۃ ہیں جنکی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہی اور ایسا ہونا ضرور تھا کسی شخص کے اُن تمام اوصاف و عادات پر مطلع ہونا جن کا اثر روایت کی قوت و ضعف پر پڑ سکتا ہی۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے جو لوگ جرح و تعدیل کے کام میں مصروف تھے سیکڑوں ہزاروں راویوں سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے اسی لیے مختلف قرائن ظاہری آثار عام شہرت سمعی۔ روایتوں سے کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین نے ان تعارضات کے رفع کرنیکے لیے اصول قرار دیئے ہیں لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں اسکے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہی جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہی لیکن بہت سی رواۃ ہیں جنکی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہیں کی جاتی۔ محمد بن بشار المصری احمد بن صالح مصری عکرمہ مولی ابن عباس کی نسبت مفسر جرحیں موجود ہیں تاہم ان جرحوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا تعجب یہ ہی کہ جارحین معدلین دونوں ائمہ فن ہوتے ہیں اور اُن کی رایوں میں اس قدر اختلاف ہوتا ہی جس سے سخت تعجب پیدا ہوتا ہی جابر جعفی کوفی ایک مشہور راوی ہی جسکو دعوی تھا کہ مجکو پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں اُس کی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کی یہ رائیں ہیں۔

سفیان کا قول ہی کہ میں نے جابر سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا شعبہ کہتے ہیں کہ جابر جب اخبرنا رحل ثنا کہیں تو وہ اوثق الناس ہیں۔ امام سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی میں گفتگو کروگے تو میں تم میں گفتگو کرونگا۔ وکیع کا قول ہی کہ تم لوگ اور کسی بات میں شک کرو تو کرو لیکن اسبات میں کچھ شک نہ کرو کہ جابر جعفی ثقہ ہیں۔ اسکے مقابلہ میں اور ائمہ فن کی رائیں ہیں جنکے یہ الفاظ ہیں کہ وہ متروک ہی کذاب ہی وضاع ہے چنانچہ اخیر فیصلہ جو پچھلے محدثوں نے کیا وہ یہی ہی کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہیں۔

اس سے یہ غرض نہیں کہ جرح و تعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے بلکہ یہ مقصود ہی کہ جن وسائل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کیے گئے اور کیے جاسکتے تھے اُنکا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہیں ہو سکتا اس لیے اسپر یقینیات اور قطعیات کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی۔

ادائے مطلب

ان امور کے بعد تادیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہی۔ مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہی۔ رواۃ بھی ثقہ ہیں شذوذ بھی نہیں ہی لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی

چونکہ یہ مسلم ہے کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایت کی گئی ہیں اسلئے ان احتمالات کو زیادہ قوت ہوجاتی ہے صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا تو اسی بناپر کیا جاتا تھا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور اُن کی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا۔ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ مل سکا۔ حضرت عمر رض نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ عمار موجود تھے اُنھوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے حضرت عمر رض نے کہا اتق اللہ یا عمار یعنی اے عمار خدا سے ڈرو،، یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ فرمائے۔ چنانچہ عمار نے کہا کہ اگر آپکی مرضی نہو تو میں یہ حدیث نہ روایت کیا کروں ،، اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اُسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر رد و قدح کرتے ہیں حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور دقت نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں متواتر اور مشہور میں ان بحثوں کا مساغ نہیں انھیں وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہوگئیں۔ معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا اُن کے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہوں اور انقطاع و شذوذ و علت نہو۔ بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہیں لیکن جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی میں اس کا خیال نہیں رکھتے۔ امام ابو حنیفہ نے اس بحث میں جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور اُنکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اُنھوں نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا نہ ظاہر بینوں کی طرح خوش اعتقادی سے اُسکی قطعیت تسلیم کی۔ امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے حضرت عمر رض حضرت عائشہ رض عبداللہ بن مسعود نے متعدد موقعوں پر خبر واحد کی تسلیم سے تردد کیا ہے جسکی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمر کے سامنے رسول اللہ سے روایت کی کہ لاسکنی ولا نفقۃ تو حضرت عمر نے فرمایا لا نترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لا ندری صدقت ام کذبت یعنی ایک عورت کی روایت کی بناپر جسکی نسبت معلوم نہیں کہ اُس نے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب الہی کو چھوڑ نہیں سکتے فقہی احکام میں اس قاعدہ کی متعدد تفریعیں ہیں مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہوسکتا کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے اسلئے وجوب یا کمسے کم استحباب ثابت ہو سکتا ہے اسی بناپر نماز میں قرأۃ فاتحہ کو امام شافعی فرض سمجھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ واجب۔ اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے اور یہی چیز ہے جسنے ایک زمانہ کو امام ابو حنیفہ کا مخالف بنادیا تھا امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بناپر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل و عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں اُنکے خلاف اخبار احاد

خبر واحد قطعی نہیں

خبر واحد پر صحابہ نے شک کیا ہے

اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر

قابل اعتبار نہیں مثلاً انبیا کی عصمت اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے اسکے برخلاف جن روایتوں سے انبیا کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ اُلٹی اور مخالفت کی۔ علامہ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب الکنی میں لکھا ہے کان من مذهب الامام ابی حنیفة فی اخبار احاد ان لا یقبل منها ما خالف الاصول المجمع علیها فانکر علیہ اصحاب الحدیث فافرطوا یعنی اخبار احاد میں امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہا کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں اسپر اصحاب حدیث نے اُن کی مخالفت کی اور افراط کو پہنچا دیا۔

محدثین اور امام ابوحنیفہ کے اصول میں عموماً یہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تھی محدثین اُسکی صحت کو تسلیم کر کے تاویل سے کام لیتے تھے حالانکہ اکثر جگہ محض بارد تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اس طرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر او مشہور نہیں ہے اسلیئے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا مسامحت کی ہو۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بحث لکھی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ یہ حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے ما کذب ابراهیم الا ثلث کذبات صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں اُنکو کاذب کیونکر کہا جائے میں نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانیں تو حضرت ابراہیم کا کذب لازم آتا ہے اور غلط تسلیم کریں تو راوی کو کاذب ماننا پڑتا ہے لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح ہے، امام رازی کا استدلال امام ابوحنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہے یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا متفق علیہ ہے اسلیئے خبر احاد اسکے متعارض نہیں ہو سکتی۔ افسوس ہے کہ محدث قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جب رواۃ ثقہ ہیں تو حدیث کو بہرحال صحیح ماننا چاہیئے۔ اسی اصول پر امام صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورہ کے شروع میں جزو قرآن نہیں ہے، امام شافعی اور بعض محدثین اسکے خلاف ہیں اور سند میں چند حدیثیں پیش کرتے ہیں امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے اخبار احاد سے قرآن نہیں ثابت ہو سکتا اسی طرح امام صاحب کے اصول کے مطابق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں جن عبداللہ بن مسعود کی طرف معوذتین کا انکار منسوب کیا گیا ہے حافظ ابن حجر نے ان روایتوں کو صحیح تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت سے انکار نہیں کرنا چاہیئے کہ معوذتین متواتر نہیں ہیں۔ یا تو انکار تسلیم کرنا ہوگا کہ رسول اللہ کے اصحاب کو بھی اُس سے واقف ہونا ضرور نہ ہو امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اس قدر وسیع رہتا ہے جسقدر کہ اُسکو رہنا چاہیئے بخلاف اسکے اور لوگوں کی رائے کے مطابق اُسکی وسعت تقلیل سے

بھی کم رہجاتی ہی مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہی کہ جو شخص توحید اور نبوت کا قائل ہی اور دل سے اسپر اعتقاد رکھتا ہے
وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہی اب اسکے مقابلے میں وہ حدیثیں جو قطعی الثبوت نہیں ہیں اور
جنمیں بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہی کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتیں اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ
جہمیہ وغیرہ کو کافر نہیں کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثوں کا بہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ بہشتی ہی اور باقی
دوزخی اعتبار نہیں کرتے تھے لیکن بہت سے ظاہر بینوں نے ان حدیثوں کا یہ نتیجہ قائم کیا کہ اُن کی بنا پر
بات بات پر کفر کے فتوے دیئے یہاں تک کہ جو شخص وضع قطع میں ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہوجائے وہ
کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا اور سیکڑوں ہزاروں مسئلے کفر کے
ایجاد کر دیے جنکی تفصیل سے فقہ کی کتابیں مالامال ہیں۔

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر حدیث۔ مغازی انکی ابتدا اگرچہ اسلام کیساتھ ساتھ ہوئی لیکن جس وقت تک
انکو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہوئے دوسری صدی کے اوائل
میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہی اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ اُن علوم کے بانی کہلائے چنانچہ
بانی فقہ کا لقب امام ابوحنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہ امام
ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہی اس لیے ہم اسپر تفصیلی بحث کرنی
چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہی کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھیں جس سے ظاہر ہو کہ یہ علم کب
شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا؟ اور خاصکر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے جب اسکو پایا تو اس کی کیا حالت تھی۔

فقہ کی مختصر تاریخ

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہی جس کا اقتباس ہمارے لئے کافی ہے
وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے
تھے اور کچھ نہ بتلاتے تھے کہ یہ رکن ہی یہ واجب ہی یہ مستحب ہی۔ صحابہ آپکو دیکھکر اُسی طرح وضو کرتے تھے نماز کا بھی یہی
حال تھا یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے
دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ کے صحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انہوں
نے رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں البتہ
جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے انہیں لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے اور آنحضرت جواب دیتے اکثر ایسا
بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپنے اُس پر تحسین کی یا اس سے ناراضمندی ظاہر کی اس قسم کے فتاوے
اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے ۔ اور لوگ آنحضرت کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ "نماز ہوئی یا نہیں" اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جسقدر اعمال تھے سب کو فرض کہدیا جاتا صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب اس تفریق کیلئے جو اصول قرار دیئے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا اس لیئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں انکا عین واثر بھی پایا گیا تھا صحابہ کو ان صورتوں میں۔ استنباط، تفریع، حمل النظیر علی النظیر، قیاس سے کام لینا پڑا ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے اسلیئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بنگیا اور جدا جدا طریقے قائم ہوگئے صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے انہیں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے۔ عمرؓ، علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عباس۔ حضرت علی و عبد اللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں انکے احکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دار العلوم بنگیا جس طرح کہ حضرت عمر و عبد اللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دار العلوم کا لقب حاصل ہوا تھا۔

مجتہدین صحابہ

حضرت علیؓ

حضرت علی بچپن سے رسول اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے اور جس قدر انکو آنحضرت کے اقوال و افعال سے مطلع ہونیکا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا ایک شخص نے انسے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں آنحضرت سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے۔ اسکے ساتھ ذہانت۔ قوت استنباط ایک تخریج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے حضرت عمرؓ کا عام قول تھا کہ "خدا نکرے کہ مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہوں" عبد اللہ بن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہمکو علیؓ کا فتویٰ ملجائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

عبد اللہ بن مسعودؓ

عبد اللہ بن مسعود بھی حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے رسول اللہ کے ساتھ جس قدر جلوت و خلوت میں ہمدم و ہمراز رہے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے۔ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ) میں رہے تو ہم نے عبد اللہ بن مسعود کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ انکو اہلبیت میں سے سمجھتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے "قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسکی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس باب میں اتری ہے" وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اسکے پاس سفر کرکے جاتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے ایک مجمع میں دعوے کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں۔ شقیق بن سلمہ جو اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں

اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود کے دعوے کا منکر نہیں پایا۔ عبداللہ بن مسعود باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور اُن کی درس گاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا جنمیں سے چند شخص یعنی۔ اسود۔ عبیدہ۔ حارث۔ علقمہ۔ نہایت نام آور ہوئے۔ علقمہ رسول اللہ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ عائشہؓ۔ سعدؓ۔ حذیفہؓ۔ خالد بن الولیدؓ۔ خبابؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ خاصکر عبداللہ بن مسعود کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور اُنکے طور وطریقے کے اسقدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگوں کا قول تھا کہ جسنے علقمہ کو دیکھ لیا اُس نے عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا خود عبداللہ بن مسعود کا قول تھا کہ جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں میری معلومات اُس سے زیادہ نہیں ہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ اُنسے مسائل دریافت کرنے آتے تھے عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے

ابراہیم نخعی

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ انکو فقیہ العراق کا لقب ملا علم حدیث میں اُنکا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں اُنکی وفات کے وقت کہا کہ ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جو اُن سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو۔ اُسپر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری اور ابن سیرین بھی شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام حجاز میں کوئی شخص اُنسے زیادہ عالم نہیں رہا ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جسکا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کے فتوے تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا لیکن اُنکے شاگردوں کو اُسکے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ اُنکے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ ہجری میں قضا کی اور لوگوں نے اُنکی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتدبہ مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی۔ دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تھا نہ قیاس اور شبہ النظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تھا اور اُسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لیئے بہت سے زینے باقی تھے تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابوحنیفہ کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب۔ الموفق القتال سے اسکا ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے ایک اُن میں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی اُس نے دیدی یہ لیکر

امام ابوحنیفہ کو فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا

چلتا بنا۔ دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اُس نے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کر دی اُس نے عدالت
میں استغاثہ کیا۔ قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونوں نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا
کہ دونوں کی موجودگی میں واپس کرتا۔ حمامی گھبرایا ہوا امام ابو حنیفہ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا کہ تم جا کر اُس
شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنیکے لیئے تیار ہوں لیکن قاعدہ کے موافق تنہا تمکو نہیں دے سکتا۔
شریک کو لاؤ تو لیجاؤ۔ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ اور اسکی ترتیب شروع کی۔

ممکن ہی کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے یہ امر تاریخوں سے ثابت ہی کہ
امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً سنہ ١٢٠ھ میں پیدا ہوا یعنی جب انکے اُستاد حماد نے وفات پائی یہ وہ زمانہ ہی
کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہوگئی
تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ (قانون) کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا نیز سلطنت کی وسعت
اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اسکا تحمل
نہیں کر سکتی تھی ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگوں کے دلمیں خیال آیا ہوگا کہ ان جزئیات کو اصول کیساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جاوے۔

امام ابو حنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مقننانہ واقع ہوئی تھی اسکے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی
تعلقات نے انکو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کر دیا تھا۔ اطراف بلاد سے ہر روز جو سیکڑوں ضروری استفتا آتے
تھے اُنسے انکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے قضاۃ اور حکام فصل قضایا میں جو
غلطیاں کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہوں نے انکو اس فن کی تدوین و ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہی کہ کسی خاص
واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی جسکے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پر خطر کام تھا۔ اس لیئے اُنھوں نے اتنے
بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا۔ اس غرض سے اُنھوں نے اپنے شاگردوں میں
سے چند نامور شخص انتخاب کیئے جنمیں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کیلیئے ضروری تھے اُستاد زمانہ
تسلیم کیئے جاتے تھے۔ مثلاً یحیی بن ابی زائدہ حفص بن غیاث قاضی ابو یوسف۔ داؤد الطائی۔ حبان مندل
حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب
اور عربیت میں کمال تھا امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی
تدوین شروع ہوئی امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہی کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے
فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جنمیں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابو یوسف۔ زفر۔ داؤد الطائی۔ اسد بن عمر۔ یوسف

تلامذہ جو فقہ کی تدوین میں شریک

بن خالد التیمی یحییٰ بن ابی زائدہ "امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی سنہ ۱۲۱ھ ہجری سے سنہ ۱۵۰ھ تک جو امام ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ شروع سے اس کام میں شریک تھے یحییٰ سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اس لیئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہوسکتے تھے طحاوی نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں انکے سوا عافیہ ازدی ابو علی عزدی علی مسہر قاسم بن معن حبان مندل بھی اس مجلس کے ممبر تھے۔

تدوین کا طریقہ

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا۔ اگر اسکے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کرلیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب بہت غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے اسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کرلیئے جاتے اسکا التزام تھا کہ جبتک تمام شرکای جلسہ جمع نہولیں کسی مسئلہ کو طے نکیا جائے جواہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرے میں اسحق سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آلینے دو جب آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہونچا امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابو المحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ۔ باب الصلوۃ باب الصوم پھر عبادات کے اور ابواب اسکے بعد معاملات سب کے اخیر میں باب المیراث۔

اس مجموعہ کا رواج

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے جسقدر اسکے اجزا تیار ہوتے جاتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی امام صاحب کا درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تھا جسکے طلبا نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوتے۔ اور انکی آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب کے ہمسری کا دعوی تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر رکھتے تھے زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے ان سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو ابو حنیفہ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں "بولے" کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں بعض

امام ابوحنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے۔ تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہیں ہوئی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں ان اصحاب الرای اظہروا مذہبہم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار ولم یقدر احد منہم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای یعنی اصحاب الرائے (ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانہ میں ظاہر کئے دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہوئی کہ انکے قول پر اعتراض کرتا۔ امام رازی نے تو عام نفی کی ہی لیکن ہمکو زیادہ استقصار سے معلوم ہوا کہ اس عموم میں ایک استثنا ہی کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہی کہ امام اوزاعی نے ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا تھا جس کا جواب قاضی ابویوسف نے لکھا۔

غالبًا یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہی کہ امام ابوحنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کئے انکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہی۔ "شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ وہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں انسے انکی تصدیق ہو سکتی ہی۔

اگرچہ اسمیں کسی طرح شبہہ نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہی جس کا انکار گویا تواتر کا انکار ہے لیکن افسوس ہی کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہو گیا ہی اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اُسکا پتہ نہیں چلتا۔ امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ "ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی" امام رازی نے ۶۰۶ھ میں انتقال کیا اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوئے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکیں امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں۔ اس عہد کی ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں امام اوزاعی ابن جریج ابن عروبہ حماد بن ابی سلمہ۔ انکی تالیفات عین اسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب امام ابوحنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کی گمشدگی کی ایک خاص وجہ ہی امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن قاضی ابویوسف و امام محمد نے انھیں مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا۔ اور ہر مسئلہ پر استدلال و براہین کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ انھیں کو رواج عام ہو گیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد فراء، کسائی، خلیل، اخفش، ابوعبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔

امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہی وہ امام محمد اور قاضی ابویوسف کی تالیفات ہیں جنکے نام اور مختصر حالات ان بزرگوں کے ترجمہ میں ہم لکھیں گے۔

امام کے دیا ہیں جو مجموعہ مرتب ہو تھا وہ معدوم ہو چکا

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابوحنیفہ۔ زفر۔ قاضی ابویوسف۔ امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابویوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہائے حنفیہ نے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان صاحبوں کو اعتراف تھا کہ ہم نے جو اقوال امام ابوحنیفہ کے مخالف کہے وہ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال تھے کیونکہ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ نے متعدد اور مختلف رائیں ظاہر کی تھیں یہ روایتیں شامی وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن انکا ثابت ہونا مشکل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ان فقہا کا حسن ظن ہے قاضی ابویوسف و امام محمد اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور انکو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا اسلام کی ترقیاں اسی وقت تک رہیں کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں اور استادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے عرب میں تو چنداں ان مسائل کو رواج نہ ہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں اور ائمہ انکے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جنکی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی عموماً انہیں کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان سندھ۔ کابل۔ بخارا۔ وغیرہ میں تو انکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو شافعی و حنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہو گیا اور اس کے خاص اسباب تھے مثلاً افریقہ میں سنہ ۴۰۰ھ تک امام ابوحنیفہ کا طریقہ تمام طریقوں پر غالب تھا لیکن معز بن بادیس نے سنہ ۴۰۷ھ میں جب وہاں کی مستقل حکومت حاصل کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دیدیا کہ آجتک قائم ہے[51]

سلاطین اکثر حنفی تھے

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا۔ یہ لوگ تلوار کیساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی انکو خود دعویٰ اجتہاد تھا اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ انکے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابوحنیفہ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب[52] تھا۔

عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا۔ اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوق جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جنکے دائرہ حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی جسکے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ میں اسکی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جسکا نام التفرید ہے اور جس میں کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہیں نور الدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے وہ ہمارے ہیروز میں داخل ہے۔

---

[51] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس ۱۲ [52] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المعتز ۱۲

بیت المقدس کی لڑائیوں میں اول اُسی نے نام حاصل کیا صلاح الدین فاتح بیت المقدس اُسی کے دربار
لازم تھا۔ دنیا میں پہلا دار الحدیث اُسی نے قائم کیا۔ اگرچہ وہ شافعی و مالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا لیکن وہ خود اور
اسکا تمام خاندان مذہباً حنفی تھا۔ صلاح الدین خود شافعی تھا لیکن اُسکے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے
الملک المعظم عیسیٰ بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا علامہ ابن خلکان اُسکے حالات میں لکھتے ہیں
کہ وہ نہایت عالی ہمت فاضل۔ ہوشمند و دلیر پُر رعب تھا۔ اور حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا چرکسیہ مصر جو نویں
صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچے اور ۱۲۸ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں
خود حنفی تھے اور اُنکے دربار میں اسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم
کے فرمانروا ہیں اور آج انہیں کی سلطنت اسلام کی عزت و وقار کی امید گاہ ہے عموماً حنفی تھے خود ہمارے ہندوستان
کے فرمانروا غزنوی اور آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے اور اُنکی وسیع سلطنت میں اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو
رواج نہ ہو سکا۔ بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا ابن حزم جو
ارباب ظاہر کے مشہور امام ہیں انکا قول ہے کہ دو مذہب سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا ایک ابو حنیفہ کا
مذہب کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انھوں نے حنفی لوگوں کو عہدہ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا
امام مالک کا مذہب اندلس میں کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ مصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص
بے اُنکے مشورے کے عہدہ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کرلیتے تھے[۱۵]

حنفی فقہ کے حسن قبول کا سبب

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابو حنیفہ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے قاضی ابو یوسف نے ۱۷۰ھ کے بعد
قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُنکے تقرر اور عروج کا زمانہ ہارون رشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو ۱۷۰ھ
میں تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا جس میں امام ابو حنیفہ کے
مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا اور اُنکے سیکڑوں شاگرد قضا کے عہدہ پر مامور ہو چکے تھے اس کامیابی کو کس کی
طرف منسوب کیا جاسکتا ہے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابو یوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا لیکن
مذہب حنفی کا اصلی عروج قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا امام رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے کہ
ثم انما قوی مذهب اصحاب الرای واشتهر عظم وقعه فی القلوب ثم اتفق اتصال ابی یوسف و محمد بخدمة
هارون الرشید عظمت تلک القوم جلالة العلم والسلطنة حصلا معا فتقوی اصحاب الرای کا مذہب قوی ہو گیا
اور شہرت پکڑ گیا اور اُس کی وقعت دلوں میں بہت ہو گئی پھر اسکے بعد ابو یوسف و محمد کو ہارون الرشید کے دربار میں
رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی کیونکہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے۔

[۱۵] الجواہر المضیئہ ترجمہ نور الدین زنگی ۱۲ [۱۶] ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحییٰ مصمودی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے ۱۲

اسکے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہارون الرشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یوں تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد میں نہایت رسوخ حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی میں بلکہ زمانہ مابعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور ان ممالک میں لوگ عموماً انھیں کی تقلید کرتے تھے لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ایسی خاص خوبیاں ہیں جو اور مذہبوں میں نہیں۔

تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں۔ ابوحنیفہ۔ مالک۔ شافعی۔ احمد حنبل۔ مسائل فقہ کی ترویج و اشاعت کا سبب۔ اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی و عمدگی ہے لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اس امر میں واضع فقہ کی ذاتی رسوخ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے سوا اور مجتہدین فقہ کی ترویج و اشاعت کا باعث زیادہ تر انکی ذاتی خصوصیتیں تھیں مثلاً امام مالک مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دارالخلافہ رہ چکا تھا۔ اس تعلق سے لوگوں کو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی۔ انکا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ انکے دادا۔ مالک بن ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثیں سیکھی تھیں۔ انکے چچا شیخ الحدیث تھے۔ امام مالک نے جب حدیث و فقہ میں کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف انکی ذاتی قابلیت پر طرہ بنکر نمایاں ہوئے اور تمام اطراف و دیار میں اُن کی شہرت کا سکہ جم گیا۔ امام شافعی کو اور بھی خصوصیتیں حاصل تھیں۔ مکہ معظمہ وطن تھا باپ کی طرف سے قریشی اور مطلبی اور ماں کی طرف سے ہاشمی تھے انکا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا اُن کے پردادا۔ سائب جنگ بدر میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے اور گرفتار ہو کر اسلام لائے تھے۔ مکہ معظمہ کی ولادت۔ خاندان کا اعزاز رسول اللہ کی ہم نسبی۔ ایسی چیزیں تھیں جنسے بڑھکر حسن و قبول اور محبوبیت کیلئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہوسکتا تھا۔ امام ابوحنیفہ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی۔ کوفہ جو انکا مقام ولادت تھا گو دارالعلم تھا لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ہمسر کیونکر ہوسکتا تھا۔ بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایت کا ایک گروہ ان کی مخالفت پر کمربستہ تھا۔ غرض حسن۔ قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل نہ تھے باوجود اسکے انکی فقہ کا تمام ممالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ انکا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزون واقع ہوا تھا اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر ان کی فقہ کو مناسبت تھی کسی فقہ کو نہ تھی یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب گو زیادہ تر انھیں ملکوں میں رواج ہوا جہاں تہذیب و

تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی - علامہ ابن خلدون اس بات کی وجہ بتاتے ہیں کہ مغرب اندلس میں بدویت غالب تھی اور وہاں کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں حاصل کی تھی جو اہل عراق نے حاصل کی تھی یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں امام مالک رح کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہ ہو سکا۔"

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ اُنکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں اُس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا - زمانہ مابعد میں گو علمائے حنفیہ نے اُس پر بہت کچھ اضافہ کیا اور کائنات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ میں جس قدر کسی فن کی حالت ہو سکتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو امام ابوحنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہو چکی - اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری تعزیرات - لگان - مالگذاری - شہادت معاہدہ وراثت وصیت - اور بہت سے قوانین شامل تھے اُسکی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی - انھیں اصول پر قائم تھی اور اس عہد کے تمام واقعات اور معاملات انھیں قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے یہ قانون جسکو فقہ کہتے ہیں دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اسکے واضع کی دو مختلف حیثیتیں ہیں - (۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں - اور تشریعی احکام کہے جا سکتے ہیں (۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں یا جنکا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں -

مسائل فقہ کی تقسیم

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے اور اس اعتبار سے اُسکے لئے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان واقفیت نصوص - قوت استنباط - توفیق متعارضات ترجیح دلائل ہے - دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے اُسکی قابلیت اُس رتبہ کی ہونی چاہیئے جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننوں کی تھی - یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں - اسلام میں بہت سے نامور گزرے ہیں - جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جا سکتے تھے - جہانتک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ میں جمع کر دی تھیں کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا -

تشریعی اور غیر تشریعی احادیث کا فرق

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کئے گئے اُن میں بہت سے ایسے امور تھے جنکو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا - لیکن بطور ایک اصطلاح کے اُن سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا - فقہ کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت سے

محمول کیا اور اس خیال سے اُنپر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی۔ حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھیں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اُسکی تدوین ہوئی اُسکی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اُتری ہے ما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اُسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز آؤ۔

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ اُنکی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رای فانما انا بشر یعنی میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اُسکے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں۔ اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں۔ جو آنحضرت سے عادتاً صادر ہوتے نہ عبادۃً اور اتفاقاً واقع ہوتے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرت نے اُس وقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں پر واجب العمل نہیں ہیں مثلاً فوجوں کی تیاری اور شعار کی تعیین اسی بنا پر حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ اب رمل کرنیکی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانیکے لیے ہم رمل کرتے تھے اُنکو خدا نے ہلاک کر دیا اور آنحضرت کے بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ جہاد میں جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اُسکے ہتھیار کا مالک بھی وہی ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا۔ یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا ذہن منتقل ہوا اسی بنا پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ۔ خروج النساء الی العیدین۔ نفاذ طلاق تعین جزیہ۔ تشخیص خراج۔ تقسیم غنائم وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں اُنکو امام ابوحنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریعی حدیثیں سمجھتے ہیں

حنفی فقہ کو مقابلہ اور فقہوں کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسائل عموماً اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُسمیں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور ائمہ کے مسائل میں نہیں پائی جاتی یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اسپر لحاظ نہیں کیا اور اگر خلفائے راشدین کی نظیر میں موجود نہوتیں تو شاید امام ابوحنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنیکی جرأت نہوتی اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اُنکے مقابلہ میں اجتہاد کا دعویٰ تھا اس عمدہ اصول کی پیروی نکی اور اُسی غلط خیال پر قائم رہے لیکن اس میں کون شبہہ کر سکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

۵۱ حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴

جو مسائل تشریعی مسائل نہیں ہیں

خلفائے راشدین سے بڑھکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہو سکتا ہے؟ اُنھوں نے کیا کیا؟ حضرت عمر کے آغاز خلافت تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جنسے اولاد ہو چکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمر نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت نے تبوک کے سفر میں غیر مذہب چاکروں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا حضرت عمر نے ایران میں ۴۸ و ۲۴ و ۱۲ و ۶ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیوں کو حصہ نہیں دیا۔ آنحضرت کے زمانہ اور حضرت ابوبکر کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منادی کرا دی کہ تین طلاق طلاق ہی سمجھی جائینگی۔ آنحضرت کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسکی حد چالیس دُرے قرار دیے اور حضرت عمرؓ نے بسبب اسکے کہ اُنکے زمانہ میں مے نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا چالیس سے اسی دُرے کر دیے یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور جنکے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو جو آنحضرت کا تشریعی حکم سمجھکر اُسکی مخالفت کرتے تھے!! اگر نعوذ باللہ ایسا کرتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے بلکہ (عیاذاً باللہ) رسول اللہ کے حریف اور غاصب تھے!!!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کی وجہ سے شریعت کے راز شناس ہو گئے تھے اُنکو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اُس حد میں داخل ہیں جنکی نسبت آنحضرت نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم حضرت عائشہ نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ "آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانیکی اجازت نہ دیتے" صریح اسبات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ کی اُس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم نہیں قرار دیا ورنہ زمانہ کے حالات کے اختلاف سے اُسپر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے اس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل میں اُنکی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے لیکن جن لوگوں کی نگاہ اُس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کرکے لکھا ہے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں بیچارے عمر کی کیا حقیقت ہے" لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر قاضی صاحب سے زیادہ اسبات کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔

استنباط احکام کی ابتدا

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق۔ امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جسکی وجہ سے جو اب تک جزئیات مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بن گیا۔ امام ابوحنیفہ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تحدید اور انضباط ہے ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت

میں تھے یہاں تک کہ نقل و کتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابو حنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ قواعد جنکو اب اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہی سب سے پہلے امام شافعی نے مرتب کیے یہ دعوی اس لحاظ سے تو صحیح ہی کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر میں نہیں آئے تھے لیکن اصل فن کی بنیاد امام شافعی سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ اور اگر تحریر کی قید اٹھا دی جائے تو امام ابو حنیفہ اسکے موجد کہے جا سکتے ہیں۔

اصل یہ ہی کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا جسطرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رو سے کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ انکا استنباط یا تفریع کس قاعدۂ کلیہ کے تحت میں داخل ہی اور اسکے کیا شرائط اور قیود ہیں اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کئے جاتے تھے نہ علمی اصطلاحیں قائم ہوئی تھیں نہ کچھ اصول منضبط ہوئے تھے۔

بنو امیہ کے اخیر دور میں کچھ کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں چنانچہ واصل بن عطا نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں۔ قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ۔ اجماع امت۔ عقل و حجت (یعنی قیاس) واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں مثلاً یہ کہ "عموم و خصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں نسخ صرف اوامر و نواہی میں ہو سکتا ہے۔ اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں"[۱]

(حاشیہ: واصل بن عطا نے فقہ کے بعض قاعدے بیان کئے)

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں اولیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہی لیکن یہ اسی قسم کی اولیت ہوگی جسطرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنے سے کہا جاتا ہی کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہیں۔ بہرحال امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اسلیئے استنباط اور استخراج مسائل کے اصول قرار دینے پڑے۔ اگرچہ زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بن گیا اور سیکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے جنکا امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن کے مہمات مسائل جن پر فن کی بنیاد قائم ہی امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہو چکے تھے۔ اصول اربعہ کی توضیح حدیث کے مراتب اور انکے احکام جرح و تعدیل کے اصول اجماع کے حدود و ضوابط قیاس کے احکام و شرائط احکام کی انواع عموم و خصوص کی تحدید۔ رفع تعارض کے قواعد فہم مراد کے طرق۔ یہ مسائل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کر دیئے تھے۔

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیئے انکو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آتے ہیں ان کے علاوہ اور

---

[۱] ان مسائل کو ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں واصل بن عطا کی طرف منسوب کیا ہی ۱۲

ابواب کے متعلق امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیئے تھے مثلاً ما لم یثبت بالتواتر لیس بقرآن۔ الزیادۃ نسخ لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص عموم القرآن لا یتخصص بالاحاد۔ العام قطعی کالخاص۔ الخاص ان کان متاخرا خصص العام وان کان متقدما فلا بل کان العام ناسخا للخاص وان جهل التاریخ تساقطا ویطلب دلیل آخر مفهوم الصفة لا یحتج به النهی لا تدل علی البطلان[1] امام صاحب کے یہ اقوال انکے شاگردوں کی تصنیفات یا اصول کی کتابوں میں جو شافعیہ وحنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ جستہ مذکور ہیں جن کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ یہی اصول ہیں جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ ایک خاص طریقہ اجتہاد کے بانی ہیں۔ انہیں اصول کے اتحاد کی بنا پر۔ امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ امام صاحب کے طریقے سے الگ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سیکڑوں ہزاروں جگہ ان سے اختلاف کیا ہے۔

اصول فقہ کی کلیات

ان اصولی مسائل پر بوجہ اس کے کہ امام شافعی وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف میں اُن کی گنجائش نہیں اصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں جس شخص کا جی چاہے ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فقہ کے اس حصہ میں امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر اور مستنبط کی حیثیت ہے اور کچھ شبہہ نہیں کہ اسباب میں امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ کل دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے دنیا میں اور بھی قومیں ہیں جنکے پاس آسمانی کتابیں ہیں اور وہ لوگ اُن کتابوں سے اخذ احکام کرتے ہیں لیکن کوئی قوم یہ دعوی نہیں کر سکتی کہ اُس نے استنباط مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور اسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ کا دوسرا حصہ

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جس میں امام ابو حنیفہ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام میں کوئی شخص واضع قانون گزرا ہے تو وہ صرف امام ابو حنیفہ ہیں۔

مسلمانوں میں توضیع قانون کا کام ہمیشہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا میں نہایت غلو رکھتے تھے۔ مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ دنیاوی امور سے علیحدگی کم آمیزی۔ معاملات میں سختی۔ عام واقعات سے بیخبری۔ غیر مذہب والوں سے تنفر۔ یہ تمام اوصاف وہ ہیں

---

[1] لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں اُن کی نسبت یہ دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابو حنیفہ کے اقوال ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام ثابت سے ثابت ہیں ۱۲

جو تمدن کے مخالف ہیں اور جس شخص میں یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر اور فطرتی ہوں وہ مشکل سے تمدن کی ضرورتوں
کا اندازہ دان ہو سکتا ہے تقدس و پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے اُن لوگوں کی جس قدر عظمت کی جائے کم ہے لیکن دنیا
اور دنیا والوں کا کام اُن سے نہیں چل سکتا۔ حضرت جنید بغدادی۔ معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داؤد طائی کی عظمت
و شان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہیں ہو سکتے تھے۔

مجتہدین جنہوں نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے۔ اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور تھے تاہم
یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کے وسیع تعلقات پر ان کی نگاہ پڑ سکتی تھی جن سے اُن کو عمر بھر کبھی سروکار نہیں رہا یہی
وجہ ہے کہ اُنکے قوانین میں بعض جگہ ایسی سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جس پر مشکل سے عملدرآمد ہو سکتا ہے امام شافعی
وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح میں بجز ثقاۃ کے کوئی شخص گواہ نہیں ہو سکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا۔ بیع بالمعاطات
جائز نہیں۔ ذمیوں کی شہادت کسی حال میں مقبول نہیں۔ ایک مسلمان سیکڑوں ذمیوں کو بے قصور قتل کر ڈالے
تاہم وہ قصاص میں پکڑا نہیں جا سکتا۔ ان مسائل سے دنیا کا کام کیونکر چل سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اس وصف میں اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی
اغراض کے اندازہ شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ تجربیت اور فصل قضایا کی وجہ سے
ہزاروں پیچیدہ معاملات اُن کی نگاہ سے گذر چکے تھے۔ اُن کی مجلس افتا بہت بڑی عدالت تھی جس نے
لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی ارکان سلطنت مہمات امور میں اُن سے مشورہ
لیتے تھے اُن کے شاگرد اور ہمنشین جن کی تعداد سیکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے
ان باتوں کے ساتھ خود انکی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے
تھے اور اسکے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے اسبات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہو سکتا ہے جسکا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔

ایک دن امام صاحب قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ملنے گئے۔ اُس وقت اُنکے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا مدعی کا
بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے۔ اسلئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں قاضی صاحب نے
مدعاعلیہ کی طرف جو اُس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے قاضی صاحب سے کہا کہ
ابھی مقدمہ قائم نہیں ہوا مدعی کا اظہار لینا چاہیئے کہ اسکی ماں زندہ ہے یا نہیں کیونکہ اسکو بھی شریک مقدمہ ہونا
چاہیئے یا اگر اُس نے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اس کو مختار نامہ پیش کرنا چاہیئے۔ قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار
لیا معلوم ہوا کہ اسکی ماں مر چکی ہے اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا۔ امام صاحب نے کہا مدعی سے پوچھنا چاہیئے
کہ اس کے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر دعویدار موجود ہیں تو اُن کو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے اسیطرح امام صاحب
نے اور چند سوالات کئے جب وہ مراتب طے ہو چکے تو فرمایا کہ اب مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعاعلیہ کا اظہار لیجئے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی وہ اس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا جس طرح عوام آپس میں فصل خصومات کیا کرتے ہیں لیکن امام صاحب با قاعدہ فیصلہ چاہتے ہیں کا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہو سکتے ہیں اُن سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہیئے۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کو فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصہ کی جس طرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اُسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اُس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا اگرچہ اُسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کیجاتی ہے لیکن درحقیقت ہمیں بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں ان ہی ابواب کے مسائل جو ترتیب دیئے گئے ہیں وہ جدا جدا قانونوں کے نام سے موسوم ہیں مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع۔ قانون لگان و مالگذاری۔ تعزیرات ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ۔

اسی بنا پر بعض یوروپین مصنفوں کا خیال[۱] ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنی رومیوں کے

---

[۱] ہم نے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تھا لیکن تالیف کتاب کے بعد ہم کو معلوم ہوا مسٹر شیلڈون ایموز نے جو آج کل لندن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہیں اپنی کتاب رومن سول میں اس دعوے کو بڑے شد و مد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اس پر ایک مفصل بحث کی ہے یورپ کو جو برتری آج تمام قوموں بالخصوص مسلمانوں پر حاصل ہے اُس نے یوروپین مصنفوں کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گذشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایاں ہو جس سے کسی طرح انکار نہ ہو سکے تو یہ دعویٰ کریں کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ روم و یونان مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے یہی اثر ہے جس نے مسٹر شیلڈون ایموز کو اس بحث پر مجبور کیا انہوں نے اپنے دعوے کو فقہ حنفی تک محدود نہیں رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت اُنکا یہ دعویٰ ہے ہم اُنکے مضمون کو قریباً اُنکے الفاظ میں نقل کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دعوے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں وہ اپنے مضمون کو اس طرح شروع کرتے ہیں مشرق میں دفعۃً ایک بالکل جدید طبع زاد قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہو جانا جسکی نسبت دعوی کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعوی کیا جاتا ہے اُسکی تاریخی بنیاد کیا ہے علاوہ دوسری شہادتوں کے موجودہ قیاس اس دعوے کے سخت مخالف ہے اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کرکے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی قطعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے ابتدا ہی میں ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو با ترتیب و مضبوط سلسلہ قانون سلطان فاتحوں نے تمام ممالک مفتوحہ میں جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلیٰ درجہ کا مکمل صلح یافتہ سلسلہ قانون تھا۔ پروفیسر موصوف نے تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے شام مصر کو فتح کیا تو وہاں رومی قوانین کے متعدد مرکز موجود تھے بیروت میں الگزنڈر سیویرس کے زمانہ سے ایک مدرسہ قانون چلا آتا تھا جسمیں چار پروفیسر تھے قیصریہ میں رومی لا کی ایک جماعت تھی اسکندریہ میں قانون کی تعلیم جاری تھی۔ ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ اس قیاس کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اس قدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات ہوئیں اور جس طرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ میں آباد ہوئے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدل جاتا ہے کہ اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر موصوف نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ شروع میں مسلمانوں نے غیر قوموں سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا لیکن

قانون سے بہت کچھ مدد لی اور اسکے بہت سے مسائل اپنی فقہ میں داخل کر لیئے اس خیال کی تائید میں قرائن پیش کیئے جاتے ہیں (۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسائل رومن لا کے مطابق ہیں۔

(۲) رومن لا تمام ممالک شام میں جاری تھا اور چونکہ مسلمانوں پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تھا۔ اس لیئے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی مسائل میں بھی ان سے استفادہ حاصل کیا۔

(۳) اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ میں شامل ہیں انکی توجیہ بغیر اسکے نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدد لی گئی ہو۔

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصار کیساتھ مقابلہ کیا جائے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جس قدر دونوں قانون میں تطابق ہے وہ توارد کی حد سے متجاوز ہے یا اسی قدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قوموں کے قوانین بہت سی باتوں میں موافق ہوا کرتے ہیں میں اولاً تو رومن لا سے واقف نہیں اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہاں نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کر سکتا اس لیئے مجھ کو اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس موقع پر جو کچھ میں لکھوں گا اس کا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس اور ظن ہی سے کام لیتے ہیں کیونکہ باوجود تحقیق کے ہمکو کوئی ایسا منصف نہیں ملا جسکا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کر چکا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ آیا تو انہوں نے غیر قوموں کیلیئے قانون وضع کیئے جو خود انہیں قوموں سے ماخوذ تھے پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہیں نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اسبات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو عالی قومیں عرب کے ماتحت ہو گئی تھیں اُن کی دنیوی زندگی کے پیچیدہ معاملات میں دست اندازی کی جائے نہ اسکے لیئے فرصت تھی نہ فراغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دے سکتے جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن و امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب ریاضت منطق اور علوم نفسیہ میں ترقی ہوئی جس طرح کہ ارسطو سے عربوں نے منطق سیکھی اسی طرح بسیل ( ) ملبو ( ) اور انکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا اسکے بعد پروفیسر صاحب موصوف اس خیال کی قطعیت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اس قدر احکام ہیں کہ اُن پر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف یہ احکام ہیں۔ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ تم اپنی بیبیوں کو دو دفعہ طلاق دے سکتے ہو پھر ان کو رحمدلی یا مہربانی سے علیحدہ کر دو۔ سودخوار قیامت میں آسیب زدوں کی طرح اٹھیں گے۔ میعادی قرض کو تلمبند کرا لیا کرو۔ اگر بیبیوں کے ساتھ انصاف کر سکو تو کئی نکاح کر سکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہیں۔ مرد کو دو حصہ ملے گا۔ اور عورتوں کو ایک لیکن صرف عورتیں ہوں تو دو۔ شوہر کو نصف حصہ ملے گا۔ مرض الموت میں وصیت کے وقت گواہوں کا ہونا ضرور ہے۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ مکاتب کو آزادی کا معاہدہ لکھ دو۔ اگر تمہاری مرضی ہو۔ سزائے زنا و غیبت ۔ پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف اسی قدر قانونی احکام مذکور ہیں اس لیئے انکے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہیں قرار پا سکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب سیدھے قواعد اوپر درج ہوئے اُن میں مشکل سے ایک

اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب و عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہا تھے لیکن اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کئے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں ان کا ذکر ہے ان میں متعدد ایسے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں معمول و متداول تھے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں ان کی تفصیل بھی کی ہے حضرت عمرؓ نے خراج و ٹیکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کئے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیرواں عادل نے اپنے زمانۂ حکومت میں وضع کئے تھے اور یہ کچھ توارد نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ نے دانستہ نوشیرواں کی اقتدا کی تھی۔ چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف انہیں الفاظ میں تصریح کی ہے۔

ایک مقنن جب کسی ملک کے لیئے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اُس ملک میں اس سے پہلے جاری تھے اُن میں سے بعض کو وہ بعینہ اختیار کرتا ہے بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے۔ بے شبہہ امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔ لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوتے ہونگے کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور اُن کی زبان مادری فارسی تھی دوسرے اُن کا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا۔

غرض یہ امر بہر حال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیح میں ان قواعد اور رسم و رواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو اُن ممالک میں جاری تھے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونیکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقیہوں نے ایسے مصالحہ سے تیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موٹر پر رومی قانون کی کایپول اُترین کو یاد دلاتی ہے اس کے بعد پروفیسر صاحب نے دعوی کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل میں فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکساں ہیں اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ در اصل رومی قانون ہے لیکن بہ تبدیل ہیئت پروفیسر موصوف نے نو صفحوں میں یہ بحث لکھی ہے ہم نے اس کا خلاصہ لکھدیا ہے لیکن کوئی ضروری بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر اُنکے خاص فقرے لکھدئے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یوں بیان کئے جاسکتے ہیں " قرآن مجید میں بہت احکام ہیں اور اسنے قانون نہیں بن سکتا " " ممالک مفتوحہ اسلام میں رومی قانون پہلے سے جاری تھا " " مسلمانوں نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات ترجمے کئے " " فلاں فلاں مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں " یہ بحث حقیقت میں نہایت مفید اور امپارٹنٹ بحث ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اصل کتاب میں بیان کیا ہے اس معرکہ میں اس شخص کو قدم رکھنا چاہیئے جو فقہ اسلام و رومن لا دونوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو پروفیسر موصوف بے شبہہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعوے کر سکتے ہیں۔ لیکن مسائل اسلام کے متعلق انکی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے اُنہوں نے دعوی کیا ہے کہ قرآن مجید میں قانونی احکام صرف معدودے چند ہیں جن کی انھوں نے تفصیل کر دی ہے حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہیں اور اگرچہ ان میں بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہیں، ہم خاص وہ آیتیں جن میں قانونی احکام ہیں سو سے کم نہیں یہ آیتیں جداگانہ جمع کی گئی ہیں اور علمائے اُن پر متعدد تفسیریں لکھی ہیں ان تمام احکام سے واقف ہوتا تو

حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جا سکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع - جہاں تک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فہرست میں ہم سینکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں لیکن وہ فلسفہ، طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہو اور اس قدر قطعًا ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ میں فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اس لیئے یہ احتمال کہ امام ابوحنیفہ نے غیر قوموں کی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے ملک میں رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے یا اس قابل نہ تھے کہ حیز تحریر میں آ کر قانون کا لقب حاصل کر سکتے تھا

مختصر یہ کہ جس قدر تاریخی قرائن موجود ہیں اُن سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جسکے نمونہ پر انہوں نے فقہ کی بنیاد رکھی اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کے مسائل جس قدر اور جس صورت میں مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے ان باتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ امام صاحب ہی اُسکے مقنن اور واضع تھے البتہ ان کو ملک کے رسم و رواج مسائل معمول بہا۔ علماء کے فتاوی سے مدد ملی لیکن اسی قسم کی مدد سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے۔ اس لیئے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہیں سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل میں سے انکو صرف دو معلوم ہیں تعداد طلاق و تعداد نکاح حالانکہ قرآن مجید میں محرمات نکاح، موطوءا ب، جمع بین الاختین، نکاح با مشرکات۔ طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونوں کے احکام، خلع اور ایلاء کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے افسوس ان کو یہ معلوم نہیں کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید میں مذکور ہے اور خصوصًا والدین کا حصہ اور کلالہ کے احکام تو صاف صاف صریحًا مذکور ہیں قصاص اور دیت کے مسائل جو نہایت تفصیل سے قرآن میں مذکور ہیں اور جن میں قتل عمد اور قتل خطا اور اُنکے احکام کی پوری تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو صرف یہ معلوم نہیں حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرأت کی؟

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم اُن مقدمات پر توجہ کرتے ہیں جن پر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے مقدمۂ اول انہوں نے خود تسلیم کر لیا ہے اور واقع میں بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قوموں سے بالکل الگ رہے ہیں اور اُنکے قانونی احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہیں حاصل کی اس لیئے دمشق و بیروت و اسکندریہ میں اس وقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسائل اس عروج کے ساتھ پیش کیئے ہیں وہ زمانہ کے موافق ہیں وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہیں مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ اگر اول یعنی اولاد و سلسلہ صعودی رشتہ داران طرفی خواہ

ان عام مباحث کے بعد اب ہم اُن خاصیتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیتیں
فقہ حنفی کا اصول عقل کے موافق ہونا۔

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی ان میں کوئی سر اور مصلحت نہیں ہے مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اس لیئے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے اُن سے منع کیا ہے اور خیرات و زکوٰۃ صرف اس لیئے مستحسن ہیں کہ شارع نے اُن کی تاکید کی ہے ورنہ فی نفسہ یہ افعال بُرے یا بھلے نہیں ہیں۔ امام شافعی کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابو الحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اس کے کہ اس کے دونوں پہلو بڑے بڑے علما نے اختیار کئے ہیں ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اس قدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام الٰہی میں مذکور ہے کفار کے مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ روزہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲) آدھا عون ملا ہوا کل اور اُن کی اولاد۔ بی بی یا خاوند مولائی غلام آزاد۔ یہ سب رومن لا کے موافق ہیں۔ اسکے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصے یہ تھے نصف ربع ثمن دو ثلث ایک ثلث۔ سدس۔ یہی حصے رومن لا میں تھے لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حصص خود قرآن مجید میں مذکور ہیں اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اسمیں رومی بنیاد کا پتہ نہیں لگتا۔ البتہ ورثا کی بعض افراد قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن وہ زمانہ رسالت و خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے۔ حدیث و آثار کی نہایت قدیم کتابیں آج موجود ہیں اُنکو پڑھکر متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے انکی یہ تفصیل ہی کہ ہر وصیت تقریری یا تحریری دو گواہوں کے سامنے ہو۔ صرف ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وصیت نہیں ہو سکتا جب تک کہ ورثا نہ راضی ہوں لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہیں اور اس امر سے ایک عام عربی دان بھی انکار نہیں کر سکتا پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہیں جو انکی رائے میں رومن لا سے ماخوذ ہیں ہم ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے مختصراً اسقدر کہنا کافی ہی کہ انہیں اکثر مسائل اُسی زمانہ کے ہیں جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہی کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے قوانین و احکام سے کچھ واقفیت نہیں حاصل کی تھی پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہی کہ قرآن مجید یا احادیث میں قانونی مسائل بہت کم تھے انکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہاں سے تیار ہو گیا اسی حیرت نے انکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین بنائیں لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے۔ قانونی مسائل تو بغیر رومن لا سے ماخوذ ہیں نماز روزہ حج۔ زکوٰۃ کے متعلق قرآن مجید و احادیث میں کون سی بڑی تفصیل ہے پھر فقہ میں انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قائم ہو گیا؟ کیا

فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ جہاد کی نسبت فرمایا حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ۔ اسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث میں جا بجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ اُن کی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول اُن کے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے اسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص و طریق نظر سے ثابت کیا جائے محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلوں میں امام ابو حنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب احادیث و طریق نظر دونوں کے موافق ہے امام محمد نے بھی کتاب الحج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جس کو تفصیل مقصود ہو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے اس دعوے سے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے اُنکے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اُسی قدر اُن کی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوٰۃ کی بحث میں لکھا ہے[۱] کہ امام شافعی کا مذہب امام ابو حنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اُسکی صحت کی دلیل ہے کیونکہ زکوٰۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جن میں عقل و رائے کو دخل نہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) یہ مسائل بھی رومن لا سے ماخوذ ہیں اسکو بھی جانے دو تمام اور اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے؟ اور اس وسعت تک کیونکر پہنچے؟ آنحضرت کے زمانہ میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ، اسماء الرجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے اور آج انکی کیا حالت ہے کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہیں ہیں کیا انسے مسلمانوں کی قوت نظری تیزی طبع وسعت خیال کا اندازہ نہیں ہوتا کیا یہ علوم و فنون بھی مسلمانوں نے روم و یونان سے سیکھے؟ فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ تو اُس زمانہ کے مسائل ہیں جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کچھ نہیں سیکھا تھا لیکن زمانہ ما بعد میں بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہیں اٹھایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ دعوی صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی میں مسلمانوں نے یونان و مصر سے علوم و فنون لیے لیکن انکو جاننا چاہیے کہ یونان و مصر کے شاگردوں کا گروہ ایک خاص گروہ تھا بے شبہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قوموں سے مستفید ہوتے تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں ہی میں وہ گروہ بھی تھا (اور وہی بہت بڑا گروہ تھا) جو اپنے فضل و کمال کے زعم میں غیر قوموں کی طرف کبھی رخ نہیں کرتا تھا مجتہدین اور فقہاء اسی گروہ میں داخل ہیں یونان اور روم وغیرہ کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں ان کی نہایت مفصل فہرست ہم کو معلوم ہے ان میں فلسفہ، طب، ہندسہ، نجوم، کیمیا، صنعت، تاریخ، سلائف، ناول کی کتابیں ہیں لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہیں جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ فقہاء و مجتہدین جو اسلام میں واضع قانون تھے غیر قوموں کی خوشہ چینی

[۱] مناقب الشافعی مصنفہ امام فخر الدین رازی ۱۲

بخلاف اور ہمعصروں کے امام ابوحنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا دوسرے ائمہ جنہوں نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی۔ انکی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوئی تھی۔ بخلاف اس کے امام ابوحنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی جس کی ممارست نے انکی قوت فکر اور جدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا معتزلہ وغیرہ جن سے انکے معرکہ رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے اس لیئے امام صاحب کو انکے مقابلہ میں انہیں اصول سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور متنازع فیہ مسئلوں میں مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھائی پڑتی تھیں اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے انکو ثابت ہو گیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل میں بھی وہی جستجو رہی۔ حنفی فقہ کے مسائل کا دوسری فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات۔ عبادات میں بھی جس کی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اس میں عقل کو دخل نہیں امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کیجائے کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ شریعت [illegible] نے فرض کیئے گئے ہیں اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہوگا جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصل غرض کیا ہے؟ (یعنی خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا۔) اور اس کے حاصل ہونے میں کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے ان افعال کے مراتب مختلف ہیں بعض لازمی اور ضروری ہیں کیونکہ ان کے نہ ہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض افعال ایسے ہیں جو طریقہ ادا میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) کو اپنی اصطلاح میں حرام کہتے تھے کیا امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد حنبل سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو ان کے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھے تھے اگر پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کے حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب ان ہی بزرگوں کے عہد میں مرتب ہوگئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعوٰی نہ کرتے۔

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل میں رومن لا اور فقہ اسلام متحد کیوں ہیں لیکن اس میں فقہ اسلام کی تخصیص نہیں جن قانونوں کا گو وہ کتنے ہی بے تعلق ہوں آپس میں مقابلہ کیا جاوے بہت سے مسائل مشترک ثابت ہونگے اور قدرتاً ایسا ہونا ضرور ہے جب تمام دنیا کے آدمیوں کی ذاتی۔ تمدنی۔ ملکی ضرورتیں اکثر متحد اور یکساں ہیں تو ان ضرورتوں کے لحاظ سے ہر جگہ جو قوانین وضع کیئے جاوینگے انکے مسائل کا مشترک ہونا کونسے تعجب کی بات ہے۔ شعر۔ دو راہرو کہ بیک رہ روند در یک سمت ÷ عجب نباشد اگر او فتند پے بر پے ÷

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۲۳) ۵؎ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن خصوصیتوں کا ہم نے دعوٰی کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے ہیں ممکن ہے کہ بعض جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیات امام صاحب کے مذہب میں پائی جاویں اور دوسرے اماموں کی فقہ میں پائی جاویں لیکن ہمارا یہ دعوٰی ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل میں نہیں پائی جاتیں ۱۲

ایک حسن و خوبی پیدا کرتے ہیں لیکن اُن کے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی۔ ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور ان کو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہیں فرمائی۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے تھے اس لیے تمام مجتہدین نے اُن کے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط و اجتہاد کی رو سے اُن افعال کے مختلف مدارج قائم کئے اور اُن کے جدا جدا نام رکھے۔ امام ابوحنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن اس باب میں ان کو اور ائمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا درحقیقت انکا وہی رتبہ تھا۔ مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جن کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا ہیں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے اس لیے اس قدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم رہا کہ نیت۔ تکبیر۔ قرارت۔ رکوع۔ سجود۔ وغیرہ جن سے بڑھ کر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا فرض اور لازمی ہیں اور خود شارع نے اُن کے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کئے۔ بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ اُن ارکان کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دیدیا۔ حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں اس لیے امام ابوحنیفہ اُن کے فرضیت کے قائل نہیں۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اُس کے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اعظم۔ اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرارت کا فرض ادا ہو جاتا ہے امام شافعی کے نزدیک بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی۔"

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[۵۱]۔ امام شافعی کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں۔ ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لیئے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات

۵۱؎ امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اُس میں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو داخل نہیں سمجھتے یعنے اُن کے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن بے شبہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن فقہائے حنفیہ نے دعوے کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے ۱۲۔

سے استدلال کیا ہے - چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بتفصیل مذکور ہیں - ہمارا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعووں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحیں اور اشارے موجود ہیں - اسی طرح عقلی وجوہ بھی انکی اُن کی صحت کے شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے -

زکوۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے زکوۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسی لیئے زکوۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیئے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں یعنی فقرا - مساکین - عمال - زکوۃ - مولفۃ القلوب - مقروض - مسافر - غازی - مکاتب - چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے اسی لیئے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوۃ ہیں لیکن تعین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا - امام شافعی نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوۃ ادا نہ کی جائے فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا بخلاف اس کے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوۃ اُن اقسام سے باہر نہ جانے پائے باقی یہ امر کہ اُن لوگوں میں سے سب کو دی جائے یا بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جس کو چاہے انتخاب کر سکتا ہے -

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چارپایوں کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے - امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکوۃ میں جانور یا اُس کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے -

امام شافعی کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی - حالانکہ زکوۃ کی غرض حاصل ہونے میں جانور اور اس کی قیمت دونوں برابر ہیں اس لیئے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی -

ان مسائل کے سوا عبادات کے سیکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے اُن سب کی تفصیل نہیں کر سکتے معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے -

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور یسیر التعمیل ہے -

دوسری خصوصیت فقہ حنفی سہل اور یسیر ہے

قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا - رسول اللہ کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں - بے شبہہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے - اُس میں عبادات شاقہ نہیں ہیں اُس کے مسائل

آسان اور تیسیر التعمیل میں حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر یہی ترجیح حاصل ہے۔

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعراء اور مصنفین اس کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ بے موقع پر اس کا استعمال کیا اور کہا ع چوں رخصتہائے بوحنیفہ * تاہم اس مدعا کا ثبوت اس کے کلام سے بھی ہوتا ہے عبادات اور معاملات کا کوئی باب کوئی فصل لیلو۔ یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے۔ بخلاف اس کے اور آئمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہیں مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل۔ انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں چنانچہ ہم اس کے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی۔ ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر آسان ہے اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی	ایک اشرفی کا ربع
اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔
نادان بچہ پر قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
کفن چور پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔

ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اُس کا مالک ہو گیا تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے۔
لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں اُن کے سرقے سے قطع ید لازم نہیں آتا۔	اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اسباب ہیں یہ دعوے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جنکی پابندی کی جائے تو زندگی دشوار ہو جائے بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی اُپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اُس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ رانگ۔ کانچ۔ بلور۔ عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے۔ مثلاً پشمینہ۔ سمور۔ پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اسکو پہنکر نماز نہیں ہو سکتی۔ برتن یا کرسیاں زین وغیرہ جنپر چاندی کا کام ہو انکا استعمال ناجائز ہے۔ بیع بالمعاطاۃ یعنی خرید فروخت کا عام طریقہ جس میں بعت و اشتریت کی تصریح نہیں کی جاتی۔ ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مذہب۔ امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ۔ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے۔

تیسری خصوصیت

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کے لیئے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے۔ لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین اُن کے بعد ہوئے اُنہوں نے بجائے اس کے کہ اُس کو اور وسعت دیتے اسی غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا جس کا منشاء وہ زاہدانہ خیالات تھے جو علمائے مذہب کے دماغوں میں جاگزیں تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک جب کسی زمین کا دعویٰ کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوے میں زمین کا موقعہ بتایا جائے اس کی حد حدا ربعہ دکھائی جائیں حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ محدث مذکور کے

فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع اور تمدن کے موافق ہیں

نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے لیکن اگر ان کو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے
بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہیں اُن کے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔
امام شافعی ہبہ کے لئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔ شفعہ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے تمام معاملات میں
مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں گو اہان نکاح کے لیئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری
سمجھتے ہیں۔ ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی اُن کی شہادت جائز نہیں قرار دیتے بے شبہہ یہ باتیں اُن ممالک
میں آسانی سے چل سکتی ہیں جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتیں بالکل سادہ
اور نیچرل حالت میں ہیں۔ لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو۔ معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ
صورتیں پیدا ہو جاتی ہوں حقوق کی تحدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا
آسان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ امام شافعی سے مخالف ہیں۔ مورخ ابن خلدون
نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پا سکا جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی تھی لیکن
اس کی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اصول تمدن کی رعایت نہ تھی امام ابوحنیفہ نے جس دقت نظر اور
نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کئے اس کا صحیح اندازہ تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ معاملات
کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے لیکن ایسی تفصیل کے لیئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر کتاب
میں اس کی گنجائش ہے تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ اس لیئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر
کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ نکاح بوجہ اسکے کہ تمدن اور
معاشرت کے بڑے بڑے نتائج اُسپر متفرع ہوتے ہیں۔ معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔
مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفوں نے یہ دعوےٰ کیا ہے
کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں۔ لیکن ہم اس بحث میں دکھا دیں گے کہ آج مہذب سے
مہذب ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہیں ہیں۔ بنتھم نے اپنی کتاب یوٹلیٹی میں لکھا ہے کہ
رومن لا ہو جب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہیں۔[1]

لیکن ہم ثابت کر دیں گے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعہ انصاف ہیں۔ غالباً اس بحث سے
اُن لوگوں کے خیالات کی بھی کسیقدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حنفی فقہ رومن لا سے ماخوذ ہے۔

نکاح وازدواج۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصہ ہے نکاح بقول ایک حکیم کے، جماعتوں کا شیرازہ
تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ مقنن نے اُس کے اصول وضوابط کی

[1] اس قول کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ۱۲

عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ ان اصول وضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شارع نے خود اُس کے مہات مسائل بتا دیئے تھے۔ تاہم جس نکتہ سنجی کے ساتھ اُنہوں نے ان اصول کی تشریح کی اور اس پر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کلام کہیں مجمل واقع ہوا تھا کہیں محتمل المعنیین بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل میں مجتہدین کی مختلف رائیں قائم ہو گئیں یہی مختلف فیہ مسائل ہیں جن میں امام صاحب کے اجتہاد جوہر کھلتے ہیں، وصاف نظر آتا ہے کہ جس طرح انہوں نے ان موقعوں پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات کے محمل معین کئے۔ اشاروں کی تصریحیں بتائیں۔ جزئیات کی تفریع کی وہ انہیں کا کام تھا جن میں اور مجتہدین کسی طرح اُن کی ہمسری نہیں کر سکتے۔

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیئے۔

(۲) معاملہ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہیئے۔

(۳) اس کی بقا و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیئے جائیں۔

(۵) نکاح کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آئے۔

محرمات نکاح

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کس حد تک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیئے ہیں جنکے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات تمام مذہبوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتہم نے کتاب یوٹلٹی میں محرمات کی حرمت کے جو دلائل قائم کئے بالکل مشترک ہیں چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں اس لئے اصل مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق رہا لیکن جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آتیں۔ اُن میں اختلاف پیدا ہو گیا انہیں میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اُس عورت سے ناجائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے اُسکو یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے انکی دلیل ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے اس لئے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ امام ابوحنیفہ

اس کے بالکل مخالف ہیں اُن کے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے
وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اُسکو نکاح کے ساتھ خصوصیت
نہیں اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اُس کے ساتھ نکاح و مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصول
فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطوءہ کا بھی یہی حال ہے وعلیٰ ہذا القیاس خود قرآن مجید میں اسکے اشارے
موجود ہیں۔ لیکن چونکہ یہاں نقلی بحث نہیں۔ ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

معاملہ نکاح میں اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے اور نکاح کے اثر کی خوبی یا
برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو۔ نکاح کے بارے میں
خود مختار نہیں ہے یعنی کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی۔ بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگوں نے
ایک طرف تو عورت کو اس قدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیئے کہ وہ زبردستی جس
شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال میں انکار نہیں کر سکتی۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے
نکاح کر دیا ہو تو بالغ ہو کر وہ نکاح فسخ کر سکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصل بنیاد عورتوں کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبوں میں عورتوں کی حالت
نہایت پست قرار دی گئی ہے اور اُن کے حقوق نہایت تنگدلی سے قائم کئے گئے ہیں۔ ہندؤں اور عیسائیوں
کے ہاں عورت کو میراث نہیں ملتی خود عرب میں اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسی طرح اور بہت سے
امور ہیں جن سے عورتوں کا کم رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق
یکساں درجہ پر قائم کئے ہیں اور فرمایا للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن
امام ابوحنیفہ نے تمام مسائل میں اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب
میں اُن کی فقہ کو اور ائمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح۔ طلاق۔ عتق وغیرہ
معاملات میں عورتوں کی شہادت اسی طرح معتبر ہے جس طرح مردوں کی۔ بخلاف اس کے اور ائمہ مجتہدین
کے نزدیک عورتوں کی شہادت کا اعتبار نہیں۔ بعض معاملات میں اُن بزرگوں نے عورتوں کی شہادت
جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہے کہ دو سے کم نہوں اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کسی حالت میں
قابل اعتبار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس طرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے امام ابوحنیفہ
کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کی جا سکتی ہے لیکن اور ائمہ مخالف ہیں۔ اسی بنا پر اُنکے نزدیک
جب مرد نکاح کے معاملہ میں خود مختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے۔

اس عام اصول مساوات کے قطع نظر صورت متنازعہ میں خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جس کا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے اخیر وقت تک قائم رہتا ہے۔ اس لیئے ایسے معاملہ میں ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت ناانصافی ہے۔

اس بحث میں امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلوں پر ہے لیکن اس میدان میں بھی امام ابوحنیفہ اُن سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لانکاح الا بولی پر استدلال ہے تو امام صاحب کی طرف الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا موجود ہے لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے۔ عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے یہ اُسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جائے ورنہ وہ صرف اقتضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ اُنھوں نے طریقہ انعقاد۔ تعین مہر۔ ایقاع طلاق۔ نفاذ خلع کے جو قاعدے قرار دئیے ہیں اُن سب میں اس اصول سے کام لیا ہے۔

اسباب میں سب سے مقدم اُنکا مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام یعنی جبتک زوجین کی حالت استقامت پر ہے طلاق دینا حرام ہے۔ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے تو اُس کا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہ ہو یعنی یہ کہ تین بار کرکے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصل کرنیکے لیئے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے۔ اور تعجب یہی ہے کہ باز آئے اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہ ہو اور تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی بہم بھی کسی طرح اصلاح پذیر نہیں ہے تو مجبوراً طلاق دے طلاق کے بعد اُسکو مہر ادا کرنا۔ اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت کرنی ہوگی اس سے یہ مقصد ہے کہ جبتک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے گذر اور بسر اوقات کیلیئے اُسکو تکلیف نہ اُٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے اسباب میں امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہیں ہم اُنکو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکیگا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا اور ہر حالت میں اُسکے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) جبتک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق حرام ہے	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔
(۲) ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی اور امام احمد حنبل کے نزدیک مضائقہ نہیں۔

(۳) مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہوسکتی ہے۔ اس سے یہ مقصد ہی کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لیئے ہے جسکو اس قسم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔	امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہوسکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہی کہ مرد بیدریغ بے سوچ سمجھے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہی اور عورت کو بوجہ اس کے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار رہ گئی تکلیف کا احتمال ہی۔
(۴) خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہوجاتا ہی۔	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہی۔
(۵) جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہوسکتیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک انکی وجہ سے فسخ نکاح ہوسکتا ہے۔
(۶) اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہوجائے تو عورت کو میراث ملے گی۔	امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔
(۷) طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہی گویا وہ بائنہ ہوچکی
رجعت کے لیئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لیئے کافی ہی مطلب یہ ہی کہ آسانی دیجائے تاکہ رجعت بادنی مساہمت ہوسکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
(۸) رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ورنہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہی تو طلاق بائن ہوجائیگی	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

نکاح کے قواعد مرتب ہونیکے لیئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہی کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کیئے جائیں۔ عورتوں کو مردوں کے ساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہی وہ باطل نہ ہونے پائے کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہیئے نہ یہ کہ اسکے اصلی حقوق میں زوال آجائے یہ اسلام کی خاص فیاضی ہی جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی کہ اس نے معاملہ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت وسعت

کے ساتھ قائم کئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو تمام مسائل میں محفوظ رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان مسائل
میں جہاں اور ائمہ نے اُن سے اختلاف کیا ہے صریح غلطی کی مثلاً خلعہ کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

عورتوں کے حقوق

اس باب میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے اسی طرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر
خلع کا اختیار ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے
کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اس کی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اس مہر کی مقدار کے برابر شوہر
کو معاوضہ دینا چاہیئے۔ مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر مرد کی شرارت
ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام
مالک کے نزدیک اولاً مرد جسقدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور اُسپر عورت کو مجبور کر سکتا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ گو
شرارت اور زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور جسقدر چاہے لے سکتا ہے حالانکہ یہ صریح
ناانصافی ہے کہ عورت بے گناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

مستورات نکاح

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن مستورات کیساتھ عمل میں آئے۔ ان رسوم میں صرف دو مقصود پیش نظر ہیں
اول یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہو جائے۔ ان اغراض
کے لحاظ سے۔ امام ابوحنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دئے ہیں یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں
جس سے ظاہر ہو کہ انھوں نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے یہ دونوں
سادہ اور آسان شرطیں ہیں جو ہر موقع پر استعمال کیجا سکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اسکے ان شرطوں میں ایسی
سخت قیدیں لگائی ہیں جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے چاہئیں
ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہیں اُسکے لحاظ سے ہزاروں
میں ایک آدہ عادل ہو سکتا ہے اسی لیئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جائے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈے سے نہ مل سکے
امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہوں لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی
ہیں اور یہی قرین عقل بھی ہے۔ امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ حالانکہ خاص
الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہیں جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ہبہ۔ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح
کے لیئے کافی ہیں۔

چوتھی خصوصیت ذمیوں کے حقوق

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے ذمیوں یعنی اُن لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں
لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور یہ وہ خصوصیت
ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتیں ہیں

جابجا موجود ہیں لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہیں اسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہیں اسلیئے انکی تعبیر مطالب میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں تاہم کچھ شبہ نہیں کہ جو تعبیر امام ابو حنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی اسلام نہایت وسیع دنیا پہ حکمران رہا ہی اور اُسکی حدود مملکت میں سیکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور ہیں اس لیئے اگر اُنکے حقوق کی واجبی حفاظت نہ کی جائے تو ایک دن بھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیئے۔ یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے بیشک زبانی دعویٰ کر سکتا ہی لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے یہ احکام اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہارون رشید اعظم کی وسیع حکومت انھیں احکام پر قائم تھی۔ سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے یعنی اگر مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اُسکے بدلے قتل کیا جاویگا اور اگر غلطی سے قتل کیا ہی تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا۔

تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے کہ اُنکے نزدیک ابو بکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے۔ یعنی اگر ابو بکر صدیق بے جرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کیئے جانے کے مستحق تھے۔ حنفیوں نے اس مسئلہ کی تفہیم میں کہیں یہ مثال نہیں دی ہی۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کر کے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی ہی۔ لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے۔ بے شبہہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہی کہ اُس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہی۔ اور اگر امام رازی کو عار آتی ہی تو آئے خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا؟ حضرت علی کا قول ہی من کانت لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ کدیتنا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اُسکی دیت ہماری دیت ہے۔ حضرت علی پر موقوف نہیں تمام مہاجرین انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا عبید اللہ جو حضرت عمر فاروق کے فرزند تھے۔ اُنھوں نے حضرت عمر کے زخمی ہونے کے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جنپر اُنکا شبہہ تھا قتل کر ڈالا جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو اُنھوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارہ میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کے لیئے اور جو قواعد مقرر کیئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں وہ تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں۔ اور اُن سے اُسی شرح سے ٹکس لیا جائیگا جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے جزیہ جو اُنکی محافظت کا ٹکس ہی اُسکی شرح حسب حیثیت قائم کی جائیگی مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہی اگر کوئی شخص جزیہ کا باقی دار ہو کر مر جائے تو جزیہ ساقط ہو جائیگا ذمیوں کے معاملات انہی کی

شریعت کے موافق فیصل کیئے جائیں گے - یہانتک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی
گورنمنٹ اس نکاح کو اس کی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کریگی - ذمیوں کی شہادت اُنکے باہمی مقدمات میں مقبول ہوگی
ذمیوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جاسکتے ہیں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہوسکتے ہیں تمام مسجدوں
میں بغیر اجازت حاصل کیئے داخل ہوسکتے ہیں بجز اُن خاص شہروں کے جو مسلمانوں نے آباد کیئے ہیں ہر
جگہ وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں - وہ اگر حربی کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیں تو
سپہ سالار اُنپر اعتماد کرسکتا ہے اور اُن سے ہر طرح اعانت لے سکتا ہے -

اس قسم کے اور احکام ہیں جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق
مسلمانوں کے برابر قرار دیئے ہیں - بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور میں تو انھوں نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی ہے
مثلاً اس امر میں کہ ذمی کس حالت میں عہد سے باہر ہوجاتا ہے انکا مذہب ہے کہ بجز اُس حالت کے کہ اُنکے پاس
جمعیت ہو اور وہ گورنمنٹ سے مقابلہ پیش آئیں - اور کسی صورت میں اُنکے حقوق باطل نہیں ہوتے مثلاً اگر
کوئی ذمی جزیہ ادا نہ کرے - یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو - یا کافروں کی جاسوسی کرے - یا کسی مسلمان
کو کفر کی ترغیب دے - یا خدا اور رسول کی شان میں بے ادبی کرے تو ان تمام حالتوں میں وہ سزا کا مستحق
ہوگا لیکن باغی نہ سمجھا جائیگا اور اُسکے حقوق باطل نہ ہونگے -

اب اسکے مقابلہ میں اور ائمہ کے مسائل دیکھو امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بجرم اور عمداً کسی ذمی کو
قتل کیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہیگا صرف دیت دینی ہوگی یعنی مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا - وہ بھی مسلمان
کی دیت کی ایک ثلث اور امام مالک کے نزدیک نصف تجارت میں یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے
شہر کو لیجاوے تو سال میں جتنی بار لیجاوے ہر بار اس سے نیا ٹکس لیا جاوے گا جزیہ کے متعلق امام شافعی کا مذہب
ہے کہ کسی حال میں ایک اشرفی سے کم نہیں ہوسکتا اور پورٹ اندھے اپاہج مفلس تارک الدنیا تک اُس سے معاف نہیں بلکہ
امام شافعی سے ایک اور روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہونیکی وجہ سے جزیہ ادا نہیں کرسکتا وہ اسلام کی عملداری میں رہنے پائے
خراج جو اُنپر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مقرر کیا گیا تھا اُسپر اضافہ ہوسکتا ہے مگر کسی صورت میں کمی نہیں ہوسکتی - ذمیوں کی
شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہوں کسی حال میں مقبول نہیں اس مسئلہ میں امام مالک و امام شافعی دونوں متفق الرائے ہیں -
ذمی کبھی حرم میں نہیں داخل ہوسکتا - اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہوسکتا ہے امام شافعی کے نزدیک عام
مسجدوں میں اجازت کے ساتھ داخل ہوسکتا ہے لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اسکو بالکل اجازت
نہیں مسلمی ذمی اسلامی حدود حکومت میں کہیں اپنی عبادت گاہ نہیں بنا سکتا - ذمیوں پر اعتبار نہیں کیا
جاسکتا اور وہ اسلامی فوج میں نہیں شریک ہوسکتے - ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے یا کسی مسلمان عورت کے

ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسی وقت اسکے تمام حقوق باطل ہو جاوینگے اور وہ کافر حربی سمجھا جاویگا یہ احکام بھی عیسائیوں اور یہودیوں کیساتھ خاص ہیں اور امام شافعی کے نزدیک بت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدود میں رہنے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کیساتھ نہ نبہ سکا مصر میں بے شبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا۔ لیکن اسکا یہ نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابوحنیفہ کے مسائل ہیں اسلیئے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنیکا موقع ملا ہے ہدایہ میں ہے کہ ذمیوں کو ضرور ہے کہ وہ ہتیار نہ لگائیں۔ زنار پہنیں۔ انکے گھروں پر علامت بنادی جاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔

فتاوی عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت بیرحمانہ احکام ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

امام ابوحنیفہ سے جو کچھ اس باب میں مروی ہے وہ صرف اس قدر ہے[۵۱] کہ ذمی زنار باندھیں اور ایسے زین پر سوار ہوں جنکی شکل ہتیلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابو یوسف صاحب[۵۲] نے بعض اور احکام اسپر بڑھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ذمی مسلمانوں کیساتھ وضع قطع لباس سواری میں مشابہت نہ اختیار کریں۔ اور لمبی ٹوپیاں اوڑھیں اور انکے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور ان کی جوتیوں کے تسمے دوہرے ہوں اور انکی عورتیں کجاؤں پر نہ سوار ہوں قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے بارہ میں یہی احکام صادر کئے تھے۔ اور اسکی وجہ خود حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیوں کی وضع مسلمانوں کی وضع سے الگ رہے۔

بلاشبہہ یہ حضرت عمر کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا ہے بے شبہہ حضرت عمرؓ کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ انھوں نے اہل فوج کو اکثر فرمانوں میں لکھا ہے کہ وہ جاڑوں میں دھوپ کھانا نچھوڑیں گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں موٹے کپڑے استعمال کریں جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک وطن کی خصوصیت کو محفوظ رکھیں اسی بنا پر انھوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام نہیں قبول کیا

۵۱ دیکھو جامع صغیر امام محمد ۱۲ ۵۲ قاضی ابو یوسف صاحب نے یہ احکام کتاب الخراج میں لکھے ہیں ۱۲

تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہ ہونے دیں۔ اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندھتے
تھے لمبی ٹوپیاں اوڑھتے تھے۔ اُنکے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے اُنکی عورتیں اونٹوں پر
نہیں سوار ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہی رسوم وعادات کی نسبت حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اسکی پابندی کریں
یہی احکام امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف نے قائم رکھے جن کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی خصوصیات
پر قائم رہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہروں میں اپنی عبادت گاہیں بنائیں لیکن
اسکا مقصد صرف اسقدر تھا کہ امن و امان میں خلل نہ ہو اور مسلمان رعایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس
کی صداؤں سے اُنکے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہوں اس حکم نے ذمیوں کے حق میں چنداں دقت بھی
نہیں پیدا کی مسلمانوں نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک انہیں کے شہروں سے
معمور تھا جو غیر قوموں کے آباد کئے ہوئے تھے اور جہاں ذمیوں کو عموماً عبادت گاہوں کے بنانے کی اجازت
تھی اسلامی شہروں میں بھی یہ قید اسوقت تک قائم رہی جبتک فتنہ کا احتمال رہا۔ جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیوں کو عام
اجازت ملگئی چنانچہ بغداد میں جو خاص اسلامی شہر تھا سیکڑوں ہزاروں چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے انمیں امام ابوحنیفہ
جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن و حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا
ہے اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن
اس موقع پر ہم اُنسے بحث نہیں کرسکتے اور اُسکے مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت
سے ہیں جن کا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب میں نہیں آسکتا اگرچہ چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائیں
تو بدگمانوں کو اس سوء ظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لیے اور ضعیف چھوڑ دئے دوسری بڑی
وجہ یہ ہے کہ آج اُن مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہوسکتا۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم
صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الآراء کردیا ہے ایک امام کے نزدیک ایک
حدیث قابل حجت ہے دوسرے کے نزدیک نہیں۔ اس بحث کے تصفیہ کیلئے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہے وہ بالکل
ناکافی ہے اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے اس فن کی جو کتابیں ہمارے
ملک میں موجود ہیں مثلاً تہذیب الکمال مزی، تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، طبقات الحفاظ، تہذیب الاسماء واللغات
وغیرہ ان میں جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہیں اکثر اُنکا سلسلہ سند مذکور نہیں اس لیے محدثانہ
حیثیت سے اُسکے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہوسکتا اُسکے علاوہ اکثر جروح مبہم ہیں اور جن جرحوں

لفظ نص کا اطلاق قرآن اور حدیث دونوں پر کیا جاتا ہے۔

لے خلیفہ منصور نے اپنے درباریوں کو اسی قسم کی ٹوپیوں کے پہننے پر مجبور کیا تھا جسکی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے عجم کی تقلید کی ۱۲

کو مفسر قرار دیا ہے۔ وہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔ قدما نے اس فن میں جو تصنیفات لکھیں انسے بلاشبہ یہ مباحث طے ہوسکتے ہیں لیکن وہ یہاں میسر نہیں آتیں علمائے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں جسکو زیادہ شوق ہو ان تصنیفات کیطرف رجوع کرسکتا ہے۔

لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا اسلیے نزاع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اس سے مستنبط کیا گیا صحیح طور پر کیا گیا یا نہیں اس حالت میں بحث مختصر رہجاتی ہے اور نہایت آسانی سے اسکا تصفیہ ہوجاتا ہے قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں انکی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے اور وہ فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لیے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآنی سے زیادہ مطابق ہیں تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہوجائیگی اسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہوجائیگا کہ امام ابوحنیفہ کو حیثیت اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

اس بدگمانی کی غلطی کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے مخالف ہیں

ان وجوہ کی بناپر۔ اگرچہ ہم صرف ان مسائل پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے جس سے بدگمانوں کو سوء ظن کا موقع نہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا اسلیے بہت سی حدیثیں انکو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب جمع ہوچکیں اس وقت بڑے بڑے محدثین انکے مسائل کو کیوں تسلیم کرتے رہے وکیع بن جراح جنکی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جنکی نسبت امام بن احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ میں نے انسے بڑھکر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا وہ امام ابوحنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے خطیب بغدادی نے انکے حال میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفة[۱] یحیی بن سعید بن القطان، جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کے پیرو تھے خود انکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقواله[۲] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے پھر امام ابوحنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابوحنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجکو انسے توارد ہے طحاوی امام بخاری اور مسلم کے ہمزمان ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہوگیا تھا۔ متاخرین میں علامہ بدر عینی۔ حافظ زیلعی۔ ابن الہمام قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کرسکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

اسکے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں انکے مسائل امام ابوحنیفہ سے کیوں موافق ہیں طبقہ

---

[۱] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲ [۲] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

انکی میں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جنکی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جنکی نسبت محدثین کا عام قول
ہو کہ جس حدیث کو احمد حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے
مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہو کہ فروع و جزئیات چھوڑ کر امہات فقہ کے متعلق ایک
سو پچیس مسئلوں میں انکو امام ابوحنیفہ کے ساتھ اتفاق ہو اور امام شافعی سے اختلاف ہمنے خود بہت سے مسائل
میں تطبیق کی ہو جس سے خوارزمی کے دعوی کی تردید ہوتی ہو۔ سفیان ثوری امام احمد حنبل کو محدثین نے امام الحدیث
تسلیم کیا ہو انکے مسائل امام ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابویوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان
اکثر متابعۃ منی لابی حنیفۃ یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں، صحیح ترمذی میں
سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں۔ جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔

اس خیال کے پیدا ہونیکی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے
متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہو کہ حدیث کے خلاف ہیں ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب
لکھا ہو لیکن یہ خیال کرنے والونکی کوتاہ نظری ہو۔ اکثر آئمہ نے ایک دوسرے پر جرح و اعتراض کیا ہو۔ امام شافعی امام مالک
کے باخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے موطائے امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔
باوجود اسکے اُنھوں نے امام مالک کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جسمیں دعوی کیا ہو کہ امام مالک کے بہت سے
مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہو اور خود ہماری
نظر سے گذرا ہو لیث بن سعد جو مشہور محدث ہیں کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت
کی ہو چنانچہ میرا ارادہ ہو کہ میں انکو اس امر کی نسبت خط لکھوں، امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہیں بچے اور
کیونکر بچ سکتے تھے۔ جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریث ذوی الارحام وغیرہ مسائل میں انکا مذہب صریح
حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہو لیکن حقیقت یہ ہو کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور انکی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث
نہیں کہہ سکتے جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہو ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلے کے طے
ہونیکے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہو جسمیں مجتہدین بہت کم متفق الرائے ہو سکتے ہیں کیونکہ استنباط
و استدلال کے اصول جداگانہ ہیں امام بخاری کا جزء القراءۃ ہمنے دیکھا ہو جامع صحیح میں جہاں وہ امام ابوحنیفہ کیطرف
اشارہ کرتے ہیں اس سے بھی ہم واقف ہیں بے شبہہ ان مسئلوں میں امام بخاری کا دعوی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب
حدیث کے مخالف ہو لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابوحنیفہ کا فتوی دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم خود سمجھ سکتے
ہیں کہ ان مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہو یا امام بخاری کے فہم و اجتہاد کے مخالف ہو قراءت
فاتحہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہو واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا امام بخاری جزء

القراءت میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں اتری ہی یعنی نماز سے اسکو تعلق نہیں۔ امام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القراءۃ خود ہماری نظر سے نہ گذرا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہی اول تو بیسیوں روایتوں سے ثابت ہی کہ یہ آیت نماز میں اتری ہی لیکن اگر ہم انہی کے قول کو تسلیم کریں تو یہ کون نہیں جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو صریحی عام ہے خاص نہیں ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیئے۔ امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابو حنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہ ہو وضو جائز ہے امام بخاری اسکے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کیلئے قراءۃ فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہی کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری قراءت واجب ہی اس دعوی پر دو حدیثیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ "کوفہ والوں نے حضرت عمر کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا۔ اور بجائے انکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی حضرت عمر نے عمار کو بلا بھیجا اور انسے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہی عمار نے کہا واللہ میں انکے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔

اس حدیث سے قراءت فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں انسے اگر بہزار دقت وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہی کہ امام حنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی۔!!

حقیقت یہ ہی کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اسکو احکام کے متعلق حدیثیں نہیں پہونچیں سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت وجوہ استنباط۔ طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہیں۔ اس لیئے مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا۔

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑکر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا دعوی ہی کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جنسے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہی۔ ان کے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں۔ جو امام ابو حنیفہ نے قرار دیے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں اس لیئے ہم انکا استقصا تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جنسے ایک اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے "

فرائض وضو

امام صاحب کا مذہب ہی کہ وضو میں چار فرض ہیں۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب۔ امام مالک بجائے انکے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہی کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے

اور اگر قصداً نہ کیا تو وضو باطل ہے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اس لیئے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت و موالاۃ و تسمیہ کا تو آیۃ میں کہیں وجود نہیں ترتیب کا گمان البتہ واو کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علمائے عربیت نے متفقاً طے کر دیا ہے کہ واو کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کیلئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ انکا رتبہ تاویل سے بڑھکر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں حرف فا تعقیب کیلئے ہے جس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہہ کا پہلے دھونا فرض ہے اور جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہیئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے اس لیئے اسکی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونا چاہیئے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم جس طرح خلاف عقل ہے۔ ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی ہیں خود ظاہر ہیں اُس پر رد و قدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی اسکے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا یعنی اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غائط[۱] سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو۔

عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا۔ لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ "مس" جسکے معنی چھونے کے ہیں خدا نے اس آیت میں لَمْ تَمَسُّوهُنَّ جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامستہ کے ظاہری معنے لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہو سکتی اس آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنے لئے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین سے ہو کر آئے اُس پر وضو کرنا واجب ہوگا۔

میری رائے میں اگرچہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اُن کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے وہ حدیث سے استناد کرتے ہونگے غالباً اُنکے بعد اُنکے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلے کیلئے آیت سے استدلال کیا اور اُسکو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں۔ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کیلئے نیا تیمم کرنا چاہیئے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے

[۱] غائط کے معنے ہموار زمین کے ہیں لیکن اس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے ۱۲

نئے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہی کہ ایک وضو سے کئی نمازیں نہیں ادا ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

متیمم کا اثنائے نماز میں پانی پر قادر ہونا

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی کہ اثنائے نماز میں متیمم کو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہے گا۔ امام مالک احمد حنبل اسکے مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہی کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہی کہ لَمْ تَجِدُوْا مَاءً یعنے جب پانی نہ ملے صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہیں رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔

باب الصلوٰۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں

امام صاحب کا قول ہی کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہی امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال ہی کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کی گئی ہی یعنے وذکر اسم ربہ فصلے اس میں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ اسپر فا تعقیب داخل ہی اسلیئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہی کہ تکبیر گو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں۔ اور جزو نماز نہیں۔

مقتدی کو قرات ضروری نہیں

امام صاحب کا مذہب ہی کہ مقتدی کو قرارت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا جب قرآن پڑھا جاوے تو سنو اور چپکے رہو۔ اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قراءۃ کا حکم ثابت ہوتا ہی لیکن خاصکر جہری نماز کیلئے تو وہ نص قاطع ہی جسکی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی تعجب ہی کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہی حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجہ کی وجوب قرارت کی حدیثیں موجود ہیں اسی درجہ کی ترک قرارت کی بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہی اور کوشش کی ہی کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہی جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہی اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ترجمہ یعنے سوا اسکے نہیں ہی کہ حرام کیا خدا نے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس چیز کو جسپر خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا جاوے لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہ ہو تو اسپر گناہ نہیں اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جن میں مجتہدین کو باہم اختلاف ہی ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابو حنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہی وہی صحیح ہی پہلی بحث یہ ہی کہ مردہ کے کیا معنی ہیں امام ابو حنیفہ وہی عام معنے لیتے ہیں جو عام اطلاق میں شائع ہی امام شافعی نے اسکو بہت وسعت دی ہی یہانتک کہ وہ مردہ جانوروں کے بالوں اور ہڈیوں کو بھی مردہ کہتے ہیں اس بنا پر انکی رائے ہی کہ ان چیزوں سے کسی قسم کا تمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں امام مالک بال و کھال کا کام میں لانا جائز قرار دیتے ہیں

آیت مضطر والا احتر یعنی حلال و حرام کا بیان

لیکن ہڈی کا استعمال اُنکے نزدیک بھی حرام ہے۔

امام شافعی نے اور امام مالک نے میتہ کے جو معنی لیئے ہیں چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہیں اسلیئے اُنکے مقلدوں نے تاویلیں کیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا نے قرآن میں فرمایا ہی من یحیی العظام یعنی ہڈی کو کون زندہ کریگا۔ اور زندہ وہی چیز ہو سکتی ہی جو پہلے مرچکی ہو اسی طرح خدا نے زمین کو مردہ کہا ہے" امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام کی تفریع نہیں ہو سکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہی تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہیئے۔

دوسری بحث یہ ہی کہ خون جسکو اس آیت میں حرام کہا ہی اس سے کیا مراد ہی امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہی یعنی جس خون میں روانی ہو۔ اس بنا پر مچھلی کے خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اسمیں کوئی تخصیص نہیں ہے ہر قسم کا خون حرام ہی امام صاحب کا استدلال یہ ہی کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہی چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا اس آیت میں خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہی کہ باغ و عاد سے کیا مراد ہے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت و عدوان ہو یعنی جو شخص مجبور ہو اور جاں بلب ہو اسکو مردہ و سور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت اور عدوان کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہ ہو اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جاں بلب ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسکو مردہ یا سور کا گوشت بقدر سد رمق کھانا جائز ہے۔ بخلاف اسکے امام شافعی کا قول ہی کہ وہ اگر باغی نہ ہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت میں اُسکو یہ اجازت نہیں مل سکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنی لئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں دوسرے اصول شرع اُنکی مساعدت نہیں کرتے شریعت نے ضرورت کے وقت جن چیزوں کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہیں ہوتی۔ جھوٹ بولنا گناہ ہی اور بعض حالتوں میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اسکی اجازت بھی دی ہی کیا ایک گنہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہیں ہو سکتا؟ صورت متنازعہ میں اگر اُس شخص کو اس لیئے کھانے کی اجازت نہیں دیگئی کہ اسکا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اُسکے لیئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

یہ مسائل تو نصی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اُس سے مخالفت کی ہے یعنی ایک شخص پیاس سے جاں بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز مل نہ سکے تو اُسکو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی اگر ظاہریوں کی طرح شراب کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا۔ لیکن قیاس کے قائل ہوکر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن میں صریحاً ہے دونوں کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس پھر حکم کے نہ مشترک ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔

باب الجنایات

جنایات کے بارے میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں اُن کی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے اسلام نے نہایت خوبی سے اُسکی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کیے جن سے بڑھکر کبھی ہوئے نہ ہو سکتے۔ جاہلیت میں قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلوں سے اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلے کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے انکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلے کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جس کا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو یا عورت غلام ہو یا آزاد مسلم ہو یا ذمی۔ زیادہ توضیح کے لیئے اُن صورتوں کی خاص طور پر نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی ترجمہ۔ یعنی تم پر مقتول کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا۔ آزاد۔ آزاد کے بدلے۔ غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارے میں مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا اور اُسکو دیت کہتے تھے اسلام نے اُسکو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ عمد اور قتل خطا کی حالت میں جائز رکھا اور اُسکی مقدار مسلمان و ذمی کے لیے یکساں مقرر کی چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاءً ومن قتل مومنا خطاءً فتحریر رقبة مومنة ودیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وهو مومن فتحریر رقبة مومنة وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة یعنی مسلمان کی شان نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اُسکو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے اور اُنکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی۔ اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابوحنیفہ انہیں احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جسکی نسبت ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً انکی غلطی ہے

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و احمد حنبل قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا
غلام اور آزاد میں ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر الحر بالحر کی تخصیص سے استدلال ہے تو
الانثیٰ بالانثیٰ کی تخصیص سے لازم آتا ہے کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جاوے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔
دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ
خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی اُن لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے جو مسلمانوں سے میثاق و معاہدہ
رکھتے ہیں بے شبہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اُس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا لیکن افسوس ہے کہ ایسے
فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی۔
تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید
میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دیت کی کہیں اجازت نہیں اور یہی اقتضائے عقل ہے جاہلیت میں
قتل مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا اور اس وجہ سے مالی معاوضہ اسکا بدل ہو سکتا تھا لیکن اسلام ایسی
غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔
چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل میں مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنے اگر قاتل نے پتھر سے
سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ آگ سے جلا کر مارا جا
لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔
پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم نہیں آتا۔ امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں
لازمی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کیساتھ مخصوص ہے قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں۔

وراثت

وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں امام ابوحنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے
قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں اور
ایسے وقیع اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو غالباً اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی اُن احکام کا واضع نہیں
ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اُسی کو ملتی لیکن جب اُس نے
کوئی ہدایت نہیں کی تو اسپر لحاظ ہوگا کہ اُسکے فطری تعلقات کن کن لوگوں کے ساتھ کس کس تفاوت کیساتھ تھے
جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اسی تفاوت درجات کے ساتھ اُس کی جائداد کے مالک ہونگے گویا متوفی کی یہ
معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے جس نسبت سے میرے تعلقات اُنکے ساتھ تھے دوسرا
اصول جو پولیٹکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ دو ایک
شخص تک محدود رہے۔ یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے۔ اور اس وجہ سے انکا قانون وراثت بھی

ناتمام اور محدود رہگیا۔ عیسائیوں کے قانون میں بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے۔ دوسرے بھائیوں کو کچھ دست برداشتہ ملتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں صرف اولاد ذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے نہایت دقت نظر سے اُن نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کہ متوفی کے ساتھ ہیں اور اُسی نسبت سے تین درجے قرار دیئے۔ ذوی الفروض۔ عصبات۔ ذوی الارحام ان تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے اور خاصکر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتوں میں۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ امام ابو حنیفہ نے توریث کے احکام میں تینوں مراتب قائم رکھے لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کر دیا چنانچہ اُنکے نزدیک نانا بھتیجیاں۔ بھانجے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پا سکتے اُن بزرگوں نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض و عصبات اُسکے افراد قرار دیئے ہیں جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے

نکاح و طلاق

نکاح و طلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جن میں سے بعض بعض میں مجتہدین مختلف الآرا ہیں ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقع پر انھیں کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہیں کر سکتی امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعوے پر دونوں طرف سے قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئی ہیں احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے اور جسکو خود اُنھوں نے کتاب الام میں بڑے شد و مد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن۔ ترجمہ۔ اور جب تم طلاق دو عورتوں کو اور وہ اپنی مدت کو پہنچیں تو اُن کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں" امام شافعی کہتے کہ تعضلوھن اولیائے نکاح سے خطاب ہے اور اُنکو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیائے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے" امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی اپنے چچیرے بھائی سے کر دی تھی شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی لیکن عدت گذر جانے کے بعد اُسکو ندامت ہوئی اور اُس نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا۔ عورت بھی راضی ہو گئی معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے نکاح کر دیا تھا اُس نے طلاق دیدی۔ اب میں کبھی اُس سے نکاح نہ ہونے دونگا اسپر یہ آیت اُتری" امام شافعی نے آیت کے جو معنی لئے اگر ہم نے خود انکی کتاب میں اُسکو تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ یہ اُنہیں کا قول ہے۔

اول ہمکو اسپر غور کرنا چاہیئے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم

ان شوہروں کی طرف خطاب ہو اور جب یہ مسلم ہو کہ تعضلوھن میں بھی انہیں کی طرف خطاب ہو ورنہ
عبارت بالکل بے ربط ہو گی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہو گا کہ اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو
اور وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں تو اے نکاح کے اولیا تم ان عورتوں کو نکاح سے نہ روکو۔ اس عبارت کی بے
ربطی پر کون شبہ کر سکتا ہے؟ شروع میں تو شوہروں سے خطاب ہے اور درمیان میں بلا کسی واسطہ کے اولیا
کی طرف خطاب کیا جائے۔ یہ کونسا طریقہ کلام ہے؟ امام رازی باوجودیکہ شافعی ہیں۔ تاہم مصنف تفسیر کبیر نے
صاف تصریح کی ہے کہ یہ معنے بالکل غلط ہیں [illegible] عبارت [illegible] نہیں سکتا [illegible]
[illegible] امام شافعی کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ
اس کام کا حق بھی رکھتا ہو۔

اب ہم اس آیت کا صحیح محل بیان کرتے ہیں۔ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے
اور اس غیرت سے کہ جو عورت ایک دفعہ ہم بستر ہو چکی ہو دوسرے کے آغوش میں نہ جانے پائے اس عورت کو دوسرا نکاح
نہیں کرنے دیتے تھے اس بری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے شوہرو
جب تم عورت کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں تو ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے
(یعنی جن کو اب وہ شوہر بنانا چاہتی ہیں) نکاح کریں۔ امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لیے ہیں اور اس استدلال
کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب
کیا ہے نہ اولیائے نکاح کی طرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاقوں کا ہے۔ اس قدر تو چاروں ائمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بار
تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائیگی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز
اور شرعی ہے یا نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک [illegible] جائز ہے [illegible] امام ابوحنیفہ کے نزدیک
حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے جو طلاق کا طریقہ بتلایا ہے
وہ اس آیت پر محدود ہے الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان یعنی طلاق دو بار کر کے ہے پھر
یا تو طلاق کے ساتھ روک لینا ہے یعنی رجعت کر لینا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ پس اس آیت میں
طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا ہے صرف وہی شرعی طلاق ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے
کہ اگر ایک بار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اسے نفاذ کیوں [illegible] حالانکہ نفاذ سے امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں
اس کا جواب ایک بڑی نازک [illegible] سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا
دوسری چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز۔ جیسے باپ کا [illegible] اولاد [illegible] میں [illegible] شرعاً ممنوع ہے لیکن اگر

کوئی نا انصاف حاکم ایسا کرے تو اُسکا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ عام دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے اسی لیئے اُنکے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کرسکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود اُنکے خاص شاگردوں نے بہت سے مسائل میں اُنسے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا۔ قتل بالمثقل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہوسکتی ایسے اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صاحب الرائے ہونا ممکن ہے امام صاحب اس حد تک صائب الرائے تھے۔

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشیائی ملکوں میں اگرچہ شاگردی اور اُستادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہے لیکن بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہوجاتی ہے کہ جہاں اُستاد کا نام آتا ہے ممکن نہیں کہ انکا نام نہ آئے جیسا ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں امام ابوحنیفہ کی درس تدریس کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں۔ حافظ ابوالمحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصوں کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اس گروہ میں سے چند بزرگ ایسے ہیں جنکی ہوگرافی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین میں شریک تھے اُنکے شاگرد اور ارادت مند خاص تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اس لیئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ میں اُن لوگوں کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام میں اُنکے شریک اور مددگار رہتے تھے۔ اُن لوگوں کے حالات صرف امام ابوحنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ اُس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہے یعنے اُن لوگوں کی عظمت و شان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہ نے غلطی کی۔ وکیع بولے ابوحنیفہ کیونکر غلطی کرسکتے ہیں۔ ابو یوسف و زفر قیاس میں۔ یحییٰ بن زائدہ حفص بن غیاث حبان مندل۔ حدیث میں۔ قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ میں اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ غلطی کرسکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اُس کو کب غلطی پر رہنے دیتے۔

ما رایت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان[۱۵] یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے یحیی کا مثل نہیں دیکھا اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے اور اُنکی شاگردی پر فخر کرتے۔ اُس وقت تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا تاہم اکثر مسائل میں وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے خود اُنکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[۱۶] یعنی ہم نے امام ابوحنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کیے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں وکیع بن جراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان یحیی القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی وکیع امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے اور یحیی قطان بھی انہیں کے قول پر فتوی دیتے تھے سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۸ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبداللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اُنکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے۔ وہ امام جنکی امامت و جلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جنکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جنکی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے۔ حدیث میں جو اُنکا پایہ تھا اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محدثین اُنکو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر اُنکے شاگردوں میں سے ایک شخص نے اُنسے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ کیا غضب ہے عالم شرق کہتے ہو! وہ عالم الشرق والغرب ہیں۔ امام احمد حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ میں اُنسے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی خود عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جنمیں سے ہزار سے روایت کی[۱۷] صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سیکڑوں حدیثیں مروی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے بڑے ارکان میں سے ہیں حدیث و فقہ میں اُن کی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن افسوس ہے کہ آج اُنکا پتہ نہیں۔ اُنکے فضل و کمال زہد و تقوی نے اسقدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء و سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ ایکدفعہ خلیفہ ہارون رشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے اُنکے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں ہزاروں آدمی ساتھ ہو گئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہارون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا خراسان کا عالم آیا ہے جسکا نام عبداللہ بن المبارک ہے بولی کہ حقیقت میں سلطنت اسکا نام ہے ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا[۱۸]۔

یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خلوص تھا انکو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ اُنکا مشہور قول ہے کہ لولا ان اللہ تعالی

---

[۱۳] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ۱۲ [۱۴] ایضاً [۱۵] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمۃ امام ابوحنیفہ ۱۲ [۱۶] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲ [۱۷] خلاصہ تہذیب الکمال ترجمۂ عبداللہ بن المبارک [۱۸] تاریخ ابن خلکان ترجمۂ عبداللہ بن المبارک ۱۲

یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُن سے بہت سی حدیثیں سُنی تھیں اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انھیں کے قول کے موافق فتویٰ دیتے تھے۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان قد سمع منہ شیئاً کثیرا[1] علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اسکی تصدیق کی ہے ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔

یزید بن ہارون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث انکے شاگرد تھے امام احمد حنبل علی بن المدینی یحییٰ بن معین ابن ابی شیبہ وغیرہ نے انکے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ علامہ نووی نے انکے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ انکا شمار نہیں ہو سکتا۔ یحییٰ بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک بار میں اُن کے حلقہ درس میں شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی۔ کثرت حدیث میں لوگ انکی مثال دیتے تھے خود انکا بیان ہے کہ مجکو بیس ہزار حدیثیں یاد ہیں علی بن المدینی (امام بخاری کے استاد) کہا کرتے تھے کہ میں نے انسے زیادہ کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

فن حدیث میں انکو امام ابوحنیفہ سے تلمذ تھا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں۔ جنھوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں اُنکا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اس وجہ سے انکو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر رائے قائم کرنیکا کافی موقع ملا تھا انکا قول ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اُٹھائی لیکن ابوحنیفہ سے کسی کو بڑھکر نہیں پایا[2] ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ میں وفات پائی۔

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد حنبل علی بن المدینی وغیرہ نے انسے حدیثیں روایت کیں۔ یہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے چنانچہ اسی طرح جو حدیثیں روایت کیں اسکی تعداد تین یا چار ہزار ہے[3] یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانے والے ہو حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں[4] مختصر تاریخ بغداد میں اُنکی نسبت لکھا ہے کہ امام صاحب کے مشہور شاگردوں میں تھے۔ مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۱۷۷ھ میں ہارون الرشید نے شہرہ سنکر انکو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی چونکہ قرض سے زیر بار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضاۃ کا تمام سرشتہ انکے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص کو مقرر کر دیا اسلیئے انکو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن

---

[1] حافظ عبد البر کے قول میں شیئاً کی بجائے "حدیثاً" کا لفظ ہے جو صحیح ہے اور صریح اس دعوی پر دلالت کرتا ہے دیکھو عقود الجمان خاتمہ فصل اول ۱۲
[2] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۱۲ [3] تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ یزید بن ہارون ۱۲ تہذیب الاسماء واللغات
حافظ ذہبی ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [4] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۔ تہذیب ۔ کمال

بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو انکو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے لیکن جب اُنکے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الٰہی ہے۔[۱]
۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔

ابو عاصم النبیل

اُنکا نام ضحاک بن مخلد ہے مشہور محدث ہیں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں انکی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ اُنکی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ نہایت پارسا اور متورع تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ جب سے مجھکو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے آجتک کسی کی غیبت نہیں کی۔

اُنکا لقب نبیل تھا جسکے معنے معزز کے ہیں اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لقب کیوں ہوا؟ ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھالی کہ میں حدیث نہیں روایت کرونگا۔ چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور اُنکے درس سے ہزاروں طلبا مستفید ہوتے تھے لوگونکو بہت تشویش ہوئی ابو عاصم نے یہ حال سنا تو اسی وقت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں اپنے غلام کو آپکی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں آپ قسم توڑ ڈالیئے اور حدیث کا درس دیجیئے۔ شعبہ کو اُنکے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اسوقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا۔[۲] یہ بھی امام صاحب کے مخلص شاگردوں میں تھے[۳] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے اُنسے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ بولے کہ موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ ابو حنیفہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی اور سفیان صرف فقیہ ہیں۔
۲۱۲ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبد الرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے اُنکا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الاعلام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ اُن کی روایتوں سے مالامال ہیں۔ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپنے عبد الرزاق سے بڑھکر کسی کو دیکھا جواب دیا کہ نہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان بن عیینہ یحیٰی بن معین علی بن المدینی امام احمد حنبل فن حدیث میں اُنکے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کر کے اُنکی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہانتک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز سے مسافتیں طے کر کے لوگ نہیں گئے۔

[۱] الجواہر المضیئہ ترجمہ حفص بن غیاث [۲] الجواہر المضیئہ ترجمہ ابو عاصم [۳] الجواہر المضیئہ [۴] انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبد الرزاق بن ہمام

حدیث میں انکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں۔ علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ علم کا خزانہ ہے انکو ابو حنیفہ سے فن حدیث میں تلمذ تھا عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے۔ چنانچہ انکے اخلاق وعادات کے متعلق انکے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ انکا قول تھا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھکر کسی کو حلیم نہیں دیکھا۔
۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔

داؤد الطائی

انہوں نے عجیب حسن قبول پایا تھا۔ صوفیہ انکو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں۔ تذکرۃ الاولیا میں انکے مقامات عالیہ مذکور ہیں فقہا بلانزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں انکا قصہ بیان کرتا۔[۱]

ابتدا میں فقہ وحدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث ومناظرہ میں مشغول ہوئے ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اس پر کنکری پھینک ماری اسنے کہا داؤد تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے،، ان پر عجیب اثر ہوا بحث ومناظرہ بالکل چھوڑ دیا۔ تاہم تحصیل کا مشغلہ جاری تھا برس دن کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور کل چیز سے قطع تعلق کر لیا امام محمد کا بیان ہے کہ میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا۔ اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں،، یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں خطیب بغدادی۔ ابن خلکان۔ علامہ ذہبی۔ اور دیگر مورخین نے جہاں انکے حالات لکھے ہیں امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ ان بزرگوں کے سوا اور بھی نامور محدثین مثلاً فضل بن دکین۔ حمزہ بن حبیب الزیات۔ ابراہیم بن طہمان۔ سعید بن اوس۔ عمر بن میمون۔ فضیل بن موسی وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں لیکن ہم نے صرف ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تلامذہ خاص کہے جا سکتے ہیں اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔

فقہا جو تدوین فقہ میں شریک تھے

قاضی ابو یوسف

انکی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ انکا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی انکے علمی کمالات

[۱] تاریخ ابن خلکان ۱۲

کا اندازہ بھی ہو سکتا لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا اسی کو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسی قدر فرض ہے کہ انکی مختصر تاریخ لکھ دوں جس سے انکی لائف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے انکا نسب انصار سے ملتا ہے انکے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے انکے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری محنت کر کے زندگی بسر کرتے تھے یہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں مقام کوفہ پیدا ہوئے انکو اگرچہ لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں۔ تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علما کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں حاضر تھے کہ انکے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے اطمینان دیا ہے تم انکی ریس کیوں کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے ان کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی گھر پر آکر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے امام صاحب نے انسے یہ بھی کہہ دیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا اسی طرح برابر انکو مدد دیتے رہے۔ یہانتک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاد وقت بن گئے۔

قاضی صاحب نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی۔ اعمش ہشام بن عروہ سلیمان تیمی۔ ابو اسحق شیبانی یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں محمد بن اسحق سے مغازی وسیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے حافظ ابن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سنکر یاد کر لیتے۔

اساتذہ

امام ابو حنیفہ جبتک زندہ رہے قاضی صاحب انکے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے انکی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں انکو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اسکے جانشین ہادی نے بھی انکو اسی عہدہ پر بحال رکھا لیکن ہارون الرشید نے انکی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اسوقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں انکی تفصیل خود انکی لائف میں لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے۔

عہدۂ قضا

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ انکی زبان پر تھے مسلے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا میری

وفات

ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابوحنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہانتک مجھکو معلوم ہے ابوحنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستہ سے باہر نجاتے تھے قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ کوفہ۔ بغداد کے محتاجوں کو دئے جائیں۔

کثرت حدیث

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے۔ مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحییٰ کا قول نقل کیا ہی کہ ابو یوسف تفسیر۔ مغازی۔ ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ انکا ادنے سا علم تھا" حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکا ترجمہ لکھا ہی یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ اہل الرائے میں ابویوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں" امام احمد حنبل کا قول ہی کہ "کان منصفا فی الحدیث" مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے ابویوسف اتبع القوم للحدیث خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہی کہ اول جب مجھکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابویوسف کی خدمت میں حاضر ہوا" یحییٰ بن معین وامام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کیں۔ اس سے زیادہ انکی عظمت وشان کی کیا دلیل ہوگی [۵۱]

فقہ میں جو انکا پایہ ہی اس سے کون انکار کرسکتا ہی امام ابوحنیفہ کو خود انکے کمال کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے امام صاحب عیادت کو گئے واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ خدانخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا" اور ائمہ بھی انکے جدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے۔ امام اعمش اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے انھوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انھوں نے جواب بتلایا امام اعمش نے کہا اس پر کوئی سند بھی ہے قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپنے مجھسے بیان کی تھی۔ امام اعمش نے کہا کہ "یعقوب! یہ حدیث مجھکو اسوقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اسکا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا" [۵۲]

قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جس نے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں مختلف علوم میں اُن کی تصنیفات ہیں ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں انکی مفصل فہرست بھی نقل کی ہی لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گزری ہے اسلیئے ہم اسکے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے خراج وجزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی تھیں۔ قاضی صاحب نے اسکے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انھیں تحریروں کا مجموعہ [۵۳] ہے اگرچہ اسمیں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسی لیئے اسکو زمانہ کا قانون مالگذاری

---

[۵۱] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیے ہیں ۱۲ [۵۲] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال میں جرحیں بھی منقول ہیں مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحیں ہیں یا انکا منشا اجتہادی مسائل کا اختلاف ہی ۱۲ [۵۳] ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲

[۵۴] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ میں سنہ ۱۳۰۲ھ میں چھاپی گئی ۱۲

کہہ سکتے ہیں اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع۔ لگان کی مختلف شرحیں کاشت کاروں کی حیثیتوں کا اختلاف۔ پیداوار کی قسمیں اس قسم کے اور مراتب کو اس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور اُنکے متعلق قواعد قرار دیئے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک بڑی خوبی یہ کہ نہایت آزادانہ ہے قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ خلیفہ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کا انجام دینا

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہارون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جسکی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں کہ اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لیئے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تیرا شمار اُن لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے بلکہ اگر عمال و صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لیئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پائے۔

قاضی صاحب کے سوا کس کو جرأت تھی کہ ہارون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا۔

مخالفین کی تہمت آمیز روایتیں

تعجب یہ ہے کہ ایسا اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا۔ قاضی صاحب کے مخالفین نے اُنکو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند اور روایتیں بھی گھڑلی ہیں بعض مورخین جنکو رطب و یابس سے کچھ بحث نہیں ان بیہودہ روایتوں کو نقل بھی کر دیتے ہیں جو کوتاہ بینوں کے لئے ہوئے بس اسی کا کام دیتی ہیں اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفا میں منقول ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہمنے نقل کئے ہیں جس قطعیت کیساتھ ثابت ہیں اُن کے مقابلہ میں ان روایتوں کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

حاطب اللیل مورخین ایک طرف۔ بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش میں تحقیق حق کی پروا نہ کی۔ بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اُس میں لکھا ہے کہ امام شافعی جب ہارون الرشید کے دربار میں گرفتار ہوکر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جائیگا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائے گا۔

افسوس امام بیہقی کو با این ہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانے سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی حافظ ابن حجر نے جنسے بڑھکر اُنکے بعد محدث نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو آجکل مصر میں چھاپی گئی ہے وہ اس روایت

سلہ اس کتاب کا نام توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے اور ۱۳۰۱ھ میں مطبع میریہ میں طبع ہوئی ہے۔

کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ فہی مکذوبۃ وغالب مافیہا موضوع وبعضہا الملفق من روایات ملفقۃ وواضح مافیہا من الکذب قولہ فیہا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی۔ یعنی یہ روایت جھوٹی ہے اور اسکا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو صریح جھوٹ اس میں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف و محمد بن الحسن نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی ہے۔

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہے علماء کیلئے ایک خاص لباس تجویز کیا جو آجتک برتا جاتا ہے ورنہ انسے پہلے تمام لوگونکا ایک لباس تھا۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں انکا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گاؤں تھا جس کو حرستا کہتے ہیں انکے والد وطن چھوڑ کر واسط چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کی امام محمد ۱۳۵ھ ہجری میں یہاں پیدا ہوئے سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محدثین وفقہا کی صحبت اٹھائی مسعر بن کدام۔ امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی۔ وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم وبیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے۔ آغاز شباب ہی میں انکے فضل وکمال کے چرچے پھیل گئے تھے بیس برس کے سن میں مسند درس پر بیٹھے اور لوگوں نے انسے استفادہ شروع کیا۔ ہرون رشید نے انکے فضل وکمال سے واقف ہو کر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا ۱۸۹ھ میں رے گیا تو انکو بھی ساتھ لیگیا رے کے قریب نبویہ ایک گاؤں ہے وہاں پہنچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا اور اس نے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہارون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا کہ آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے۔ علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے جانگداز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا   بایضاحہ یوماً وانت فقید

ترجمہ یعنی ہم نے کہا کہ جب تو مرا تو ہمارے لیئے مشکلات کا حل کرنیوالا کہاں سے آئیگا۔ امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا۔ لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا ۱۷۵ھ میں یحیی علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہارون الرشید انکا سروسامان دیکھکر حواس باختہ ہوگیا۔ اور دبکر صلح اختیار کی معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحیی کے اطمینان کے لیئے بڑے بڑے علماء فضلاء فقہاء اور محدثین نے اس پر دستخط کیئے۔ یحیی صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہرون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا تمام علماء نے ہرون الرشید

کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جائز ہے لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اُسکا اندازہ ائمہ مجتہدین کے قول سے ہو سکتا ہے امام شافعی کا قول ہے کہ امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے۔ انھیں کا قول ہے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے بار برابر علم حاصل کیا۔

امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل ہوئے فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے[ا]

امام محمد کے حلقہ درس سے اگرچہ اور بہت سے علمار تعلیم پاکر نکلے لیکن اُن سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جا سکتا ہے ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہوگا اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سیکڑوں کتابیں موجود ہیں وہ کیا شہادت دے رہی ہیں بے شبہہ امام شافعی کو امام محمد کی فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اُسکا خود اُنکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں[۲] کان محمد بن الحسن جید المنزلة عند الخليفة فاختلفت اليه وقلت هو اولى من جهة الفقه فلزمته كتبت عنه یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے اسلیئے میں ان کے پاس آنا جانا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہیں اسلیئے میں نے اُن کی صحبت لازم پکڑی اور اُن کا درس قلم بند کرتا رہا۔

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردوں کی نسبت اُنکے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون الرشید کے دربار میں جا رہے تھے راہ میں امام شافعی سے جو اُنکی ملاقات کو آ رہے تھے۔ اُسی وقت گھوڑے سے اُتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اسوقت حاضر نہیں ہو سکتا۔ امام شافعی نے کہا کہ میں اور کسی وقت حاضر ہونگا۔ امام محمد نے کہا نہیں دربار جانا کچھ ضرور نہیں تھا۔ امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے اسی بنا پر بعضوں کو اُنکی شاگردی سے انکار ہے لیکن اس زمانہ کی اُستادی و شاگردی میں یہ امور معیوب نہ تھے اور در اصل آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمد کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے اور اُنکی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ تفسیر حدیث۔ ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھکر نہیں دیکھا[۳]، ادب و عربیت میں اگرچہ اُنکی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کے جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور اُنسے

[ا] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں نقل کئے ہیں ۱۲ [۲] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹ ۱۲ [۳] توالی التاسیس صفحہ ۴۹ ۱۲ و الجواہر المضیئہ ترجمہ امام محمد ۱۲

ثابت ہوتا ہی کہ اس فن میں اُنکا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہی۔

حدیث میں اُنکی کتاب موطا مشہور ہے۔ اسکے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کے رد میں لکھی ہی اسمیں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں اور متعدد مسائل میں جوش ادعا کے ساتھ کہا ہی کہ مدینہ والوں کو دعوی ہی کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں۔ حالانکہ ان مسائل میں صریح اُنکے خلاف حدیث موجود ہے"

امام محمد کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہی ہم ذیل میں اُن کتابوں کی فہرست لکھتے ہیں جنمیں امام ابو حنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اسلیئے وہ فقہ حنفی کے اصلی اصول خیال کیئے جاتے ہیں

مبسوط اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہی۔ انہیں مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے

جامع صغیر مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی۔ اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی روایت سے امام ابو حنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۵۳۲ مسئلے ہیں جنمیں سے ایک سو ستر مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہی اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں (۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا (۲) اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن اُن کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اس کتاب میں تصریح کر دی ہی۔

(۳) اور کتابوں میں مذکور تھے لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہی اُنسے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں جنکے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر جامع صغیر کے بعد لکھی گئی۔ ضخیم کتاب ہی۔ اس میں امام ابو حنیفہ کے اقوال کیساتھ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی لکھی ہی۔ متاخرین حنفیہ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں سے ۴۲ شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

زیادات جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اس میں درج کئے ہیں اور اسی لیئے زیادات نام رکھا

کتاب الحجج۔ امام محمد امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس وہاں رہکر امام مالک سے موطا پڑھی۔ اہل مدینہ کا طریقہ فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل ہیں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے امام محمد نے مدینہ سے آکر یہ کتاب لکھی۔ اس میں اول وہ ابو حنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں پھر مدینہ والوں کا اختلاف بیان کرکے۔ حدیث۔ اثر۔ قیاس سے ثابت کرتے ہیں کہ ابو حنیفہ کا مذہب صحیح ہی اور وہ سرونکا غلط امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس کتاب کا ذکر کیا ہی یہ کتاب چھپ گئی ہی اور ہر جگہ ملتی ہی میں نے اسکا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر و کبیر یہ سب سے آخر تصنیف ہے اول سیر صغیر لکھی اُسکا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گذرا انھوں نے

[...]ن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت" امام محمد نے سُنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی تیار ہوئی تو ساٹھ جزوں
[...]ئی امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہارون الرشید کے پاس لے گئے ہرون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی
[...]ی اُسنے قدردانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمد سے اُس کی سند لیں۔

ان کتابوں کے علاوہ۔ امام محمد کی اور تصنیفات بھی فقہ میں موجود ہیں۔ مثلاً کیانیات۔ جرجانیات رقیات
[...]ردنیات لیکن یہ کتابیں فقہا کی اصطلاح میں ظاہر الروایۃ میں داخل نہیں بلکہ کتاب الحج جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہی وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر

فقہ میں اگرچہ انکا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اُنکی کوئی تصنیف موجود نہیں ہی اور اُنکے حالات
بھی بہت کم معلوم ہیں۔ اس لئے صاحبین سے اُنکو موخر رکھنا پڑا۔

یہ عربی النسل تھے۔ شروع زمانہ میں انکو حدیث کا توغل رہا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات
میں تصریح کی ہی صاحب الحدیث کہلاتے تھے پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔
یحیی بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں اُنکا قول ہی کہ زفر صاحب الرائے ثقہ مامون ہیں بعض لوگوں نے
[...]ی تضعیف بھی کی ہی لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتماد نہیں۔

انکو خاصکر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا۔ امام ابو حنیفہ انکی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی وکیع بن الجراح
[...]نکا ذکر اوپر گذر چکا انسے استفادہ کرتے تھے قضا کا عہدہ بھی اُنکو ملا تھا سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ میں وفات کی۔

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے صحاح ستہ کے مصنفین نے اِنسے روایت کی ہی انکو حدیث و فقہ میں بھی کمال تھا
لیکن عربیت و ادب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امام محمد اُنکی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے خلیفہ
[...]ے انکو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ مجبوراً قبول کرنا پڑا لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی۔
[...]ابو حنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی یہ بھی منجملہ اُن لوگوں کے ہیں جنکی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ
میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانے والے ہو انکو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا ایک شخص
نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں کے امام ہیں۔ ان دونوں علموں میں سے وسیع کون سا علم ہی؟ فرمایا کہ واللہ
امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہی، ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جنکو امام ابوحنیفہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا تھا۔ بہت بڑے رتبہ کے
شخص تھے۔ امام احمد حنبل نے اِنسے روایت کی ہی اور یحیی بن معین نے انکو ثقہ کہا ہی ہلال رازی کا بیان ہی کہ ایک دفعہ

[۱] تہذیب اللغات والاسماء علامہ نووی ۱۲

ہارون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہو کر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہل دربار و اعیان قیم کھڑے تھے مگر ایک شخص ہارون الرشید کے برابر بیٹھا مجھکو نہایت تعجب ہوا لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ حفص بن غیاث ہیں

علی بن المسہر

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام احمد حنبل انکے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہیں کے ذریعہ سے کی موصل کے قاضی تھے سنہ ۱۸۹ھ میں انتقال کیا۔

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہیں جنکی نسبت امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف میں فرمایا کرتے تھے کہ "جب تک عافیہ نہ آ چکیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو" علامہ ذہبی نے انکی نسبت لکھا ہے کہ کان من خیار القضاۃ۔

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ میں انکی روایت سے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مداح تھے سنہ ۱۷۱ھ میں وفات کی۔

مندل

حبان کے بھائی تھے۔ امام اعمش و ہشام بن عروہ و عبدالملک بن عمیر و عاصم احول و امام ابوحنیفہ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے سنہ ۱۶۸ھ میں انتقال کیا۔ ان کے بھائی حبان نے نہایت پر اثر مرثیہ لکھا ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسکے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ دو شعر یہ ہیں۔

فاذا ذکرت فقد ان اخی	القلبت فی فراشی ارقا
واخی ای اخ مثل اخی	قد جری فی کل خیر سبقا

تمت

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم
دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۹۳ء مقام علی گڈھ

شبلی نعمانی

ملا الجواہر المضیہ ۱۲ ـ ۵۴ یہ حالات مجھکو صرف الجواہر المضیئہ سے معلوم ہوئے ۱۲

مختصر فہرست قومی پریس دہلی

ازواج النبی یعنی جناب سرور کائنات کے ازواج مطہرات کے پورے
حالات و سوانح درج ہیں حضرت خدیجہؓ حضرت سودہؓ حضرت
عائشہؓ حضرت حفصہؓ حضرت زینبؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت زینب
بنت جحش حضرت ام حبیبہؓ حضرت جویریہؓ حضرت میمونہؓ حضرت صفیہؓ
مخالفین اسلام کے اعتراضوں کا پورا جواب دیا ہے قیمت ۱۲؍
[illegible] جعفر اور عباسہ ایک قصہ ہو گیا ہیں شبہ میں پڑے ہوئے
ہیں کہ آیا یہ واقعہ صحیح ہے یا غلط ہم نے نہایت تحقیق اور مدلل
طور سے ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ نہیں ۴؍
[illegible] جان کی سرگذشت ساری کتاب [illegible]
لکھنؤ اور دہلی کی پرانی زباندانی کا پورا فوٹو جواب نہیں ہے ۶؍

کتب مولانا عبد الحلیم صاحب شررؒ

حالات اقوام کردہ کی معاشرت و رسومات شادی و
[illegible] مذہبی عقائد اور انکا ترکوں کے ساتھ تعلق سلطان کے
محل کے اندرونی حالات اور زنانہ دربار کا پورا نقشہ امیر اللہ
سلطانہ و قانون آفندی کے اختیارات بڑی دلچسپ کتاب ہے ۱؍
خلافت عمرو بن سعید بانی خلافت بنو امیہ ابو مسلم خراسانی
بانی خلافت عباسیہ کے پورے حالات قیمت ۳؍
تذکرہ مشاہیر عالم ہر دو جلد کامل مع فوٹو مولانا مشتری
حسین حسب ذیل سوانح درج ہیں خلیفہ ناصر الدین اللہ
زبیر بن عوام عبد اللہ بن زبیر - ابن بطوطہ - بقراط
جالینوس مانی - ساسانین - [illegible] - حسین حاتم
[illegible] ابن الامام محمد بن تومرت المہدی المغربی ابو
بن مسیح - [illegible] - دمشق کی جامع مسجد

ابو الاسود دوئلی - احمد بن طولون - ابو الفضل کی عمرو بن
معدی کرب زبیدی - نابغہ زبیانی - اسکندر اعظم منذر بن
مغیرہ - حجاج - دمشق - مصوص - مسجد ایا صوفیہ - محمد علی پاشا
ابو جعفر منصور - ابو دلامہ - مسجد اقصیٰ - صلیبی جہاد قیمت [illegible]

مخدرات مشاہیر عالم حسین حسب ذیل سوانح درج
ہیں سمی رامس ملکہ بابل - ہند بنت نعمان لیلائے اخیلیہ
شہدہ کاتبہ زلیخا - ملکہ سجاح - ام سلمہ زوجہ سفاح قطر الندی
بلقیس او ذنا فلیہ بنت مہدی - خدیجہ بنت القیم ملکہ استیر
کتھراین زبیدہ خاتون اصبہانی مریم - قلوپطرہ - میڈم [illegible]
رابعہ بصریہ فاطمہ فقیہہ - ملکہ زبا - ام ابان - رابعہ شامیہ فاطمہ
نیشاپوریہ - ملکہ زنوبیہ - نوار زوجہ فرزدق مصنفہ [illegible] علیا
عورت ہی کی کشش دنیا میں انسان کو لائی - دنیا کے کاہنہ
قیصر تھیوڈورا - آل عثمان میں پہلی سلطانہ تھیوڈورا - [illegible]
فارطش مانڈ و اسعا تکہ زوجہ عبد الرحمن ابن ابی بکر صدیق - عقیلہ
عمارہ مرشد لطیفہ صالحہ [illegible] - ام جعفر حرقہ بنت نعمان ست الملک
خولہ بنت الازور - وبیدون ملکہ سویہ پرتگال - ایلیانور [illegible]
ماریہ رولاں فلپوٹ - عائشہ بنت معاویہ [illegible] بانی خاتون
ارشد امینہ - فریدہ - عفرا - عائشہ بنت طلحہ [illegible]
ریا بنت الفرق السلمی حنفیات ظریفہ بنت صفوان ام حکیم
بنت فارط - جو صاحب تینوں جلدیں ایک ساتھ لیں گے
انکو مع محصول تین روپیہ میں روانہ ہونگی

سید ظہور الحسن و حافظ ابو الحسن - دہلی
قومی پریس - چھنہ لال میاں